اخبار الرایہ

شمار نمبر 587

(18-فروری-2026)

(عربی سے ترجمہ)

وسطی ایشیا اور قرضوں کی لعنت 2

حزب التحریر ایک آئیڈیالوجیکل جماعت ہے جو صراطِ مستقیم پر استقامت کے ساتھ گامزن ہے 6

یہ وہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں 10

مغرب کے زوال کی شرائط مکمل ہو چکی ہیں 12

یہودی وجود نے مغربی کنارے کے لوگوں کو بے گھر کرنے کے فیصلوں کی منظوری دے دی! 13

ایپسٹین آئی لینڈ (جزیرہ) محض ایک عارضی اسکینڈل نہیں ہے، بلکہ یہ ایک نظریاتی حقیقت ہے 15

آج کی دنیا کا مسئلہ کیا ہے؟ 19

جمہوریت کے بت خود اپنے بنانے والوں کے ہاتھوں پاش پاش ہو گئے 24

مغربی کنارے پر یہودیوں کا اپنی گرفت مضبوط کرنا جبری بے دخلی کی ایک منظم پالیسی ہے 25

طرابلس الشام میں دوسری عمارت کا گرنا محض ایک افسوسناک واقعہ نہیں بلکہ ایک کھلا جرم ہے! 28

آج کا دن دنیا کے سامنے سڑے ہوئے سرمایہ دارانہ نظام کے متبادل کے طور پر اسلام کو پیش کرنے کے لیے سب سے موزوں ہے 29

آج دنیا جو دیکھ رہی ہے وہ محض افراد کی رسوائیاں نہیں بلکہ پورے نظام کا بے نقاب ہونا ہے 30

روس طویل جنگ کے بعد: ایک نڈھال ریاست یا پہلے سے زیادہ خطرناک؟ 32

ڈیموکریسی (جمہوریت): وہم اور حقیقت کے درمیان 36

امریکہ کی لگام صرف ریاستِ خلافت ہی کس سکتی ہے 41

مقبوضہ کشمیر کے ساتھ حقیقی یکجہتی کیسے ہو؟ 42

جریدہ "الرایہ" کی انتظامیہ اپنی امتِ مسلمہ کو ماہِ رمضان المبارک کی آمد پر مبارکباد پیش کرتی ہے۔ وہ مہینہ جو محنت و مشقت کا مہینہ ہے، صبر اور جہاد کا مہینہ ہے، جس میں اجر و ثواب کئی گنا بڑھا دیے جاتے ہیں اور درجات بلند کیے جاتے ہیں۔ الرایہ ہماری افواج میں موجود مخلص اہل قوت کی ہمتوں کو اس جانب راغب کرتا ہے کہ وہ اس رمضان کو اس حال میں رخصت نہ ہونے دیں کہ انہوں نے جلیل القدر عالم شیخ عطا بن خلیل ابو الرشتہ کی قیادت میں "نبوت کے نقشِ قدم پر دوسری خلافتِ راشدہ" کے قیام کے لیے حزب التحریر کو نصرۃ (عسکری مدد) نہ دے دی ہو جس کی بدولت مسلمانوں کے درمیان ان کا مرتبہ مدینہ منورہ کے انصارِ کبار جیسا ہو جائے، اور اللہ کی رضا تو سب سے بڑی چیز ہے۔

ادا ریہ

وسطی ایشیا اور قرضوں کی لعنت

تحریر: پروفیسر احمد ہادی

(ترجمہ)

قدیم زمانے سے ہی وسطی ایشیا ایک خطہ اور ایک ریاست تھا۔ اس کی زمینیں انتہائی زرخیز تھیں اور یہاں کے عوام عقیدے کے لحاظ سے متحد تھے، جو اہل سنت والجماعت اور فقہ حنفی کے پیروکار تھے۔ یہ خطہ ایک خوشحال اور ترقی یافتہ علاقہ تھا، جو اعلیٰ تہذیب و تمدن کا حامل تھا اور وہاں کے عوام خوشحالی اور امن و سکون کی زندگی بسر کرتے تھے۔

پوری دنیا وسطی ایشیا کو ایک مکمل ریاست اور بے پناہ قدرتی وسائل سے مالا مال ایک واحد خطے کے طور پر دیکھتی تھی۔ جب روسیوں نے اس پر حملہ کیا تو انہوں نے اپنی فوجی توسیع اور قبضے کو جاری رکھا یہاں تک کہ وہ اسے مکمل طور پر مغلوب کرنے اور اس پر قابض ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ جب انہوں نے اپنا مکمل کنٹرول حاصل کر لیا، تو انہوں نے انتظامی آسانی اور قابو میں رکھنے کے لیے اسے مصنوعی طور پر پانچ حصوں (ریاستوں) میں تقسیم کر دیا۔

روس نے وسطی ایشیا کو خام مال سے مالا مال اپنے "بیک یارڈ" میں تبدیل کر دیا اور وہاں کی ہر ریاست کو ایک علیحدہ نو آبادی بنا دیا، تاکہ وہ ریاستیں نہ تو خود اپنی بنیاد پر ترقی کر سکیں اور نہ ہی اپنی آزاد صنعتیں قائم کر سکیں۔ اس نے خطے کے عوام کو

محض مزدوروں کی سطح پر پہنچا دیا جن کا کام روس کو زرعی مصنوعات اور خام مال فراہم کرنا تھا۔ چنانچہ اس نے کپاس کی کاشت کے لیے ازبکستان کو، گندم کے لیے قازقستان کو، گلہ بانی کے لیے کرغزستان کو، پھلوں اور سبزیوں کے لیے تاجکستان کو اور مویشیوں کی پرورش کے لیے ترکمانستان کو مخصوص کر دیا۔ اسی طرح اس نے وسطی ایشیا کی تمام معدنی دولت کو لوٹ لیا اور انہیں اپنی فیکٹریوں میں تیار کرنے کے لیے خام مال کے طور پر لے گیا، جبکہ خطے کے لوگوں کو مینوفیکچرنگ یا اس سے حاصل ہونے والے حقیقی منافع (ویلیو ایڈیشن) میں کوئی حصہ نہیں دیا گیا۔

1991 کے بعد بھی، اگرچہ وسطی ایشیا نے روس سے بظاہر آزادی حاصل کر لی تھی، لیکن روس اب بھی اسے خام مال کے اڈے اور اپنے "بیک یارڈ" کے طور پر ہی دیکھتا ہے۔ وسطی ایشیائی ریاستوں کی آزادی کے بعد، ان پر زبردستی مسلط کردہ کمیونسٹ نظام اپنے سیاسی عقیدے اور معاشی نظام سمیت زمین بوس ہو گیا، سب کچھ بکھر گیا اور حالات اپنے فطری راستے سے ہٹ گئے۔ اس کے نتیجے میں کروڑوں لوگ روزگار اور رزق کی تلاش میں اپنے ملک چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور روس، ترکی، جنوبی کوریا اور دیگر ممالک میں تارکینِ وطن مزدور بن کر رہ گئے۔

اس ہمہ گیر ٹوٹ پھوٹ اور خطے کی غریب و نڈھال ریاستوں میں تبدیلی کے پیشِ نظر، وہاں کے حکمرانوں نے "کاسہ گدائی" تھام لیا اور مغربی ممالک سمیت روس، امریکہ اور چین سے قرضوں کی بھیک مانگنا شروع کر دی۔

مغربی ممالک اور امریکہ نے انتہائی سخت شرائط اور طویل و توہین آمیز انتظار کے بعد قرضے دینا شروع کیے۔ ان کی سب سے اہم شرط یہ تھی کہ ان قرضوں کو ایسے غیر پیداواری شعبوں میں خرچ کیا جائے جن سے کوئی حقیقی معاشی فائدہ حاصل نہ ہو، جیسے سڑکوں کی تعمیر یا پانی کی فراہمی کے منصوبے۔ ان شرائط پر عمل درآمد کو یقینی بنانے کے لیے ان ممالک نے اپنے ماہرین اور نگران بھیجے تاکہ وہ قرضوں کے اخراجات کی براہ راست نگرانی کر سکیں۔ حقیقت میں ان قرضوں کا صرف تیس فیصد حصہ ہی خرچ ہو پایا، جبکہ ان ممالک کے حکمرانوں کو یہ سکھایا گیا کہ بیرونِ ملک آف شور کمپنیاں کیسے کھولی جاتی ہیں اور رقم میں خرد برد اور اسے منتقل کرنے کے طریقے کیا ہیں۔

اس طرح قرضوں کا بوجھ عوام کے کندھوں پر ڈال دیا گیا، ایسے قرضے جن کی واپسی ناممکن ہے، جبکہ ریاست کے بیرونی قرضے دن بدن بڑھتے چلے گئے، اور حکمران نئے قرضے حاصل کرنے کے لیے قدرتی اور معدنی وسائل کو گروی رکھتے رہے۔ پھر جب وقت آتا، تو وہ بیرونِ ملک فرار ہو جاتے اور ملک کو اس کے قرضوں اور بحرانوں میں ڈوبا ہوا چھوڑ دیتے۔

مغربی ممالک "لو، پھر مطالبہ کرو اور شرائط کی پابندی کرو" کے اصول پر کام کرتے ہیں، وہ بڑی عیاری اور باریک بینی سے قرضے دیتے ہیں، اور انہیں اپنا سیاسی و معاشی اثر و رسوخ مسلط کرنے اور اپنے حلقہ اثر کو وسعت دینے کے لیے بطور آلہ استعمال کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ مشروط قرضوں اور مالی و معاشی تعلقات کے ذریعے خطے میں روس کے اثر و رسوخ کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جس سے مقروض ممالک ان کے ارادوں کے تابع اور ان کی شرائط و پالیسیوں کے پابند ہو جاتے ہیں۔

مغربی ممالک کے برعکس، چین قرض دیتے وقت اس قدر سیاسی اور ضابطہ جاتی شرائط عائد نہیں کرتا، اور نہ ہی وہ اس بات کی نگرانی کے لیے اپنے مبصرین یا ماہرین بھیجتا ہے کہ رقم کیسے خرچ ہو رہی ہے۔ وہ بخوبی جانتا ہے کہ ان ممالک کے حکمران ان قرضوں کو لوٹ لیں گے اور انہیں کارخانوں یا پیداواری منصوبوں پر خرچ نہیں کریں گے، اور اسے پہلے سے علم ہوتا ہے کہ ریاست وقت پر قرض واپس کرنے کے قابل نہیں ہوگی۔ چین بڑی آسانی اور تیزی سے قرضے دیتا ہے، لیکن جب واپسی کا وقت آتا ہے تو وہ کسی تاخیر یا نرمی کو قبول نہیں کرتا، بلکہ انتہائی سخت اور دو ٹوک دباؤ ڈالتا ہے۔ اگر ریاست ادائیگی میں ناکام ہو جائے تو چین زمینوں پر قبضہ کر لیتا ہے اور کانوں اور قدرتی وسائل کو اپنے قابو میں لے کر انہیں غیر ادا شدہ قرضوں کے بدلے اپنی خالص ملکیت بنا لیتا ہے۔

نگرانی یا واضح شرائط کے بغیر چینی قرضوں کے حصول میں آسانی کی وجہ سے، ان ریاستوں کے حکمران چین سے قرض لینے کے لیے آپس میں مقابلہ کرنے لگے ہیں، اور انہوں نے ریاست، اس کے عوام اور مستقبل کو جوئے کی میز پر رکھ دیا ہے۔ سن 2025 میں چین وسطی ایشیا کو قرض دینے والا سب سے بڑا ملک بن گیا ہے۔

چین صرف قرضے دینے پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ ساتھ ہی اپنی ورک ٹیمیں، ماہرین اور مزدور بھی خطے میں بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ازبکستان نے اپنے کسانوں سے زرعی زمینیں چھین کر چینی کاشتکاروں کے حوالے کر دیں۔

اس وقت دسیوں ہزار چینی باشندے کرغزستان میں داخل ہو چکے ہیں، جہاں وہ کانوں، سڑکوں کے منصوبوں اور ہاؤسنگ پراجیکٹس میں آباد ہو گئے ہیں۔ اسی طرح قازقستان اور ازبکستان نے ویزا کے بغیر براہ راست داخلے کے تعلقات قائم کر لیے ہیں، جس سے چینی انسانی اور معاشی آمد و رفت میں آسانی پیدا ہوئی ہے۔ آج صورتحال یہ ہے کہ چینی ہر جگہ، ہر

شعبے اور وسطی ایشیا کے تمام ممالک میں پھیل رہے ہیں، یہاں تک کہ ان کی موجودگی ہر قدم اور ہر شعبے میں نمایاں ہو چکی ہے۔

2025-2026 کے تخمینوں کے مطابق وسطی ایشیا کے بیرونی قرضے: قازقستان 172 ارب ڈالر، ازبکستان 77 ارب ڈالر، کرغزستان 12 ارب ڈالر، تاجکستان 7 ارب ڈالر، ترکمانستان تقریباً 5 ارب ڈالر؛ جس سے کل مجموعی قرضہ تقریباً 273ارب ڈالر ہو جاتا ہے۔

یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ قازقستان اور ازبکستان میں قرضوں میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ جبکہ کرغزستان اور تاجکستان کے قرضے کم ہیں، لیکن ان کی مجموعی قومی پیداوار (جی ڈی پی) کے مقابلے میں ان کی شرح بہت زیادہ ہے۔

قرضہ دینے والے ممالک وسطی ایشیا کو علیحدہ ریاستوں یا الگ الگ اکائیوں کے طور پر نہیں، بلکہ ایک مربوط خطے اور ایک ہمہ گیر معاشی موقع کے طور پر دیکھتے ہیں۔ وہ کسی بھی ملک کو مستثنیٰ قرار دیے بغیر تمام ریاستوں کو بیک وقت قرضے دیتے ہیں، تاکہ اس خطے کی مربوط معاشی صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے سیاسی اور معاشی نفوذ کو بڑے پیمانے پر پھیلا سکیں۔

اے وسطی ایشیا کے مسلمانو! تمہاری زمین ایک ہے اور تمہارا ملک ایک ہے، اس لیے متحد ہو جاؤ اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ تمہاری مٹی سونے سے مالا مال ہے، تمہاری زمینیں انتہائی زرخیز ہیں اور تمہارے قدرتی خزانے سینکڑوں ممالک کو خوشحال اور امیر بنانے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔ تمہیں بیرونی قرضوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے، بلکہ تمام بڑی طاقتیں خود تمہاری محتاج ہیں۔ وہ طاقتیں کمزور حکمرانوں اور اپنے مقامی ایجنٹوں کے ذریعے اپنی مرضی کی جمہوریت مسلط کرنا چاہتی ہیں، اور تمہیں اپنے تیار کردہ انسانی حقوق کے معیار قبول کرنے پر مجبور کر رہی ہیں۔ وہ تمہاری دولت کو ایسے شعبوں کی طرف موڑ رہے ہیں جن کا کوئی حقیقی فائدہ نہیں، اور بالکل معمولی قرضے دے کر تمہیں ذلیل و خوار اور تمہارے دین سے جدا کرنا چاہتے ہیں۔

ان کی باتوں پر ہرگز یقین نہ کرو اور خود کو دھوکے میں نہ رکھو۔ تمہاری اصل طاقت اور تمہارا اسلام اس بات میں پوشیدہ ہے کہ ایک ایسا 'قائدِ راشد' (ہدایت یافتہ حکمران) دوبارہ کھڑا کیا جائے جو اپنی حقیقی ریاست میں شریعت کے احکامات نافذ کرے، اور تمہاری سرزمین، تمہارے دین اور تمہارے مستقبل کی حفاظت کرے۔

حزب التحریر ایک آیڈیالوجیکل جماعت ہے جو صراطِ مستقیم پر استقامت کے ساتھ گامزن ہے

اس کے پاس نہ تو افکار کی کمی ہے اور نہ ہی یہ عملی جدوجہد سے تھکتی ہے

تحریر: انجینئر خلیل عبد الرحمن

(ترجمہ)

"کارکنوں پر قابو پانے کے لیے انہیں روزمرہ کے کاموں میں الجھائے رکھنا" کے عنوان سے کالم نگار عبد اللہ الجدیع نے سعودی اخبار 'الوطن' اور 'العربیہ' ویب سائٹ وغیرہ پر ایک مضمون شائع کیا ہے، جس میں انہوں نے اس 'سازش' کا ذکر کیا ہے کہ سیاسی جماعتیں اپنے پیروکاروں کو فروعی معاملات، خود ساختہ افکار اور مبالغہ آمیز واقعات میں اس لیے الجھائے رکھتی ہیں تاکہ انہیں اپنے کنٹرول میں رکھ سکیں اور وہ اپنے اصل مقصد اور طریقہ کار (منہج) پر غور و فکر کرنے سے دور رہیں۔ انہوں نے اس کی مثال حزب التحریر سے دی ہے اور اسے ایک بہانے کے طور پر استعمال کرتے ہوئے

جماعت پر الزامات کی بوچھاڑ کی ہے، اس پر تنقید کی ہے اور اس پر حملے کیے ہیں، حالانکہ انہوں نے اپنے ان من گھڑت الزامات اور دعووں کے حق میں کوئی دلیل یا ثبوت پیش نہیں کیا۔ بلکہ ان کا واحد مقصد جماعت کی عیب جوئی کرنا ہی نظر آتا ہے، چاہے اس کے لیے انہیں عقلِ سلیم کے خلاف ہی کیوں نہ جانا پڑے۔ مثال کے طور پر، انہوں نے جماعت کو "قدیم و مستحکم" (عَراقة) کہنے کے بجائے "بڑھاپے" (شیخوخة) کی اصطلاح سے نوازا ہے۔ "عَراقة" (قدامت و استقامت) کی اصطلاح تو ان گروہوں کے لیے استعمال ہوتی ہے جو دہائیوں یا صدیوں تک اپنا کام جاری رکھتے ہیں اور وسیع تجربہ حاصل کر کے ایک ایسی بڑی طاقت بن کر ابھرتے ہیں جسے نظر انداز کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی صفت ہے جس کی بنا پر جماعتوں کی تعریف کی جاتی ہے نہ کہ برائی، لیکن کاتب نے "عراقت" کے بجائے "بڑھاپے" کا لفظ استعمال کیا گویا حزب التحریر کوئی ایک شخص یا چند افراد ہیں جو اب بوڑھے ہو چکے ہیں اور ان میں کچھ کرنے کی سکت باقی نہیں رہی! حالانکہ کھلے حقائق اس دعوے بلکہ اس بہتان کو جھٹلاتے اور مسترد کرتے ہیں، یہاں تک کہ امتِ مسلمہ کے دشمنوں اور ان کے معتبر تحقیقی اداروں نے بھی دنیا کے 40 سے زائد ممالک میں حزب التحریر کے پھیلاؤ اور توسیع کی تصدیق کی ہے اور اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ کئی علاقوں میں یہ ایک کلیدی سیاسی قوت کے طور پر ابھری ہے۔

جہاں تک لوگوں کو الجھائے رکھنے یا مصروف رکھنے کے خیال کا تعلق ہے، تو ہم اس بات کی سنگینی پر کاتب سے اتفاق کرتے ہیں بشرطیکہ یہ عمل حزب التحریر یا کسی اور جماعت میں پایا جاتا ہو۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ حزب التحریر نے پہلے ہی اپنے لٹریچر میں اس بات سے خبردار کیا ہے کہ مسلم ممالک میں موجودہ نظاموں کے محض ظاہری اور جزوی معاملات کی مخالفت میں خود کو مصروف کر لیا جائے یا ایسے فروعی کاموں میں الجھا جائے جو درحقیقت ان نظاموں کو فائدہ پہنچاتے ہیں اور امتِ مسلمہ کی توجہ اس بنیادی اور جڑ سے تبدیلی سے ہٹا دیتے ہیں جس کی اسے اشد ضرورت ہے۔ حزب التحریر نے اپنی طویل جدوجہد میں ہمیشہ اس بات کا خیال رکھا ہے کہ اپنے ہر طریقے، ذریعے یا سرگرمی میں اپنے اصل مقصد کو اپنی نظروں کے سامنے رکھے۔ اس نے کبھی خود کو اس سمت میں نہیں جانے دیا جہاں ظالم حکمران اور استعماری کافر مغرب اسے لے جانا چاہتے ہیں، یعنی معمولی باتوں اور واقعات کی تفصیلات میں الجھنا، جنہیں اکثر غدار حکومتیں عوام کی توجہ ہٹانے کے لیے خود پیدا کرتی ہیں۔ یہی وہ بات ہے جو کم نظر لوگوں کے لیے جماعت پر تنقید کا بہانہ بنتی ہے، کیونکہ حزب التحریر اپنے نظریے اور طریقے کو نہیں چھوڑتی اور اپنی سرگرمیوں کو صرف انہی کاموں تک محدود رکھتی ہے جو براہِ راست اس کے مقصد کے حصول کا ذریعہ بنتے ہیں، یہاں تک کہ کچھ لوگوں نے (اس ثابت قدمی کو) "جمود" کا نام دے دیا ہے!

لوگوں کو الجھائے رکھنے یا ان کی توجہ بھٹکانے کا معاملہ تو ان بناوٹی جماعتوں میں پایا جاتا ہے جو اصولی افکار سے خالی ہوں یا موجودہ نظاموں کے ساتھ وابستہ ہوں، اور جو ان افکار کو عوام کے لیے ایک نشہ آور دوا کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ لیکن جہاں تک حزب التحریر کا تعلق ہے، تو یہ ایک آئیڈیولوجیکل جماعت ہے جو اپنا نظریہ اور طریقہ کار شریعتِ مطہرہ سے اخذ کرتی ہے، اور اس کے لیے ایسے اسالیب اور ذرائع کا انتخاب کرتی ہے جو اس کے بلند پایہ اور سنجیدہ نظریے کے شایانِ شان ہوں، بالکل اسی طرح جیسے رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت میں کیا تھا جس کا اختتام مدینہ منورہ میں پہلی اسلامی ریاست کے قیام کی صورت میں ہوا۔ وہ افکار جنہیں ہم عام کرنے اور امتِ مسلمہ کے لیے پختہ یقین میں بدلنے کی کوشش کر رہے ہیں، اتنے زیادہ ہیں کہ ہم ان کی اشاعت کے لیے بمشکل ہی ضروری کام اور سرگرمیاں انجام دے پا رہے ہیں، خاص طور پر جب غدار حکمران، ان کے حواری، ان کی تحریکیں، ان کے لکھاری اور سیاسی حلقے استعمار کی پشت پناہی میں اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے انتھک کوششیں کر رہے ہوں۔ یہ تمام طاقتیں حزب کی دعوت کے سامنے اس لیے کھڑی ہیں کیونکہ وہ اسے حکمرانوں کے تخت و تاج اور مسلم ممالک میں قائم نقصان دہ نظاموں کے لیے ایک خطرہ سمجھتے ہیں۔

حزب التحریر بڑے فخر کے ساتھ دن رات ایک کیے ہوئے ہے، اور پانچوں براعظموں میں اسلامی زندگی کے دوبارہ آغاز کے لیے نبوت کے نقشِ قدم پر "دوسری خلافتِ راشدہ" کے قیام کی خاطر اپنی جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہے۔ یہ جماعت اس مقصد سے ذرہ برابر بھی کم پر راضی نہیں ہوتی، اور نہ ہی موجودہ نظاموں یا استعمار کی گود میں بیٹھنے، ان سے مدد مانگنے یا ان پر بھروسہ کرنے کو قبول کرتی ہے۔ یہ اپنے شرعی نظریے اور طریقے پر مضبوطی سے قائم ہے، اور اسے اللہ کی نصرت کی پوری امید ہے جیسے اس نے اپنے سچے اور امانت دار بندے اور رسول ﷺ کی مدد فرمائی تھی۔ جہاں تک حزب التحریر کی ان کامیابیوں کا تعلق ہے جو کاتب کو نظر نہیں آئیں یا اس نے جان بوجھ کر انہیں نظرانداز کر دیا، تو وہ انہیں ان حکمرانوں کی آنکھوں میں دیکھ سکتا ہے جو حزب کے کام اور نظریے کے خوف سے لرز رہے ہیں، یہاں تک کہ انہوں نے اس جماعت سے محض وابستگی یا اس کی حمایت کو ہی ایک ایسا جرم قرار دے دیا ہے جس پر کسی نوجوان کو برسوں بلکہ بعض ممالک میں تو کئی دہائیوں تک قید کی سزا دی جاتی ہے۔ یا پھر وہ استعمار کے ان لیڈروں کی زبان سے سن سکتا ہے جو اس خلافت کے منصوبے سے ڈرا رہے ہیں جس کی تکمیل حزب کے ہاتھوں انہیں قریب نظر آ رہی ہے۔

اس کی تازہ ترین مثال چند روز پہلے امریکی نیشنل انٹیلی جنس کی ڈائریکٹر تلسی گبارڈ کا بیان ہے، جنہوں نے خبردار کرتے ہوئے کہا: "ایک ایسا خطرہ موجود ہے جس کے بارے میں ہم خاطر خواہ بات نہیں کرتے... ہماری آزادی اور سلامتی کے

لیے قریب اور دور کا سب سے بڑا خطرہ 'اسلام پسند نظریات' ہیں، کیونکہ یہ ایک ایسی عالمی خلافت قائم کرنا چاہتے ہیں جو یہاں امریکہ میں ہم پر حکومت کرے، اور یہ شریعت کے نفاذ اور اپنے نام نہاد اسلامی اصولوں کے ذریعے مغربی تہذیب کے لیے خطرہ ہے، اور اگر اس کی تعمیل میں ناکامی ہوئی تو وہ ہمیں خاموش کرانے کے لیے تشدد یا جو بھی طریقہ ضروری سمجھیں گے اسے استعمال کریں گے"۔ یا پھر کاتب اس وقت تک کا انتظار کر سکتا ہے جب وہ کسی دن جاگے اور اپنی آنکھوں سے نبوت کے نقشِ قدم پر قائم ہونے والی خلافتِ راشدہ ثانیہ کو دیکھ لے، جس کے قیام کی خبر کافر استعماری مغرب اور اس کے چیلوں اور آلہ کاروں کے تخت و تاج تلے زمین کو ہلا کر رکھ دے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(إنّ اللهَ زوَى لي الأرضَ فرأيْتُ مَشارِقَها ومَغارِبَها فإنّ أُمّتي سيبلغُ مُلْكُها ما زوَى لي منها"، وقال عليه وآله الصلاة والسلام: "ليبلغَنّ هذا الأمرُ ما بلغ الليلُ والنهارُ ولا يتركُ اللهُ بيتَ مدرٍ ولا وبرٍ إلا أدخله اللهُ هذا الدينَ بعزّ عزيزٍ أو بذلّ ذليلٍ عزًّا يعزُّ اللهُ به الإسلامَ وأهلَه وذلاًّ يذلُّ اللهُ به الكفرَ) "اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سکیڑ دیا، تو میں نے اس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھا، اور یقیناً میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک زمین کو میرے لیے سکیڑا گیا ہے"۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ دین وہاں تک پہنچ کر رہے گا جہاں تک دن اور رات کی پہنچ ہے، اور اللہ تعالیٰ مٹی کے بنے کسی گھر اور نہ ہی کسی خیمے کو چھوڑے گا مگر اس میں اس دین کو داخل کر دے گا، عزت والے کی عزت کے ساتھ یا ذلیل ہونے والے کی ذلت کے ساتھ؛ ایسی عزت جس کے ذریعے اللہ اسلام اور اہلِ اسلام کو معزز کرے گا اور ایسی ذلت جس کے ذریعے اللہ کفر کو رسوا کرے گا"۔

اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے:﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ **لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي** شَيْئاً وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ "تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے، اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں زمین میں ضرور خلافت (حکمرانی) عطا فرمائے گا جیسا کہ اس نے ان سے پہلے لوگوں کو عطا فرمائی تھی، اور ان کے لیے ان کے اس دین کو ضرور اقتدار بخشے گا جسے اس نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے، اور ان کے (حالتِ) خوف کے بعد اسے امن سے بدل دے گا، وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، اور جو اس کے بعد کفر کرے تو وہی لوگ فاسق ہیں" (سورۃ النور: آیت 24)

یہ وہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں

یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ جب لوگوں کی زندگیوں سے اللہ عزوجل کے احکامات غائب ہو جاتے ہیں، تو ان پر شیاطین کے چیلوں کے قوانین مسلط ہو جاتے ہیں، جو انہیں ذلیل کرتے ہیں اور انہیں تنگ دستی و کٹھن زندگی کا وارث بناتے ہیں: ﴿فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ * وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكاً وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ﴾ "پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ بہکے گا اور نہ تکلیف پائے گا، اور جو میرے ذکر سے منہ موڑے گا اس کے لیے معیشت (زندگی) تنگ ہو گی اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے "(۔ سورۃ طہ: آیات 123-124)

آج انسانیت کو ایک ایسی ریاست کی ضرورت ہے جو اسلام کو قائم کرے، اس کی شریعت کو نافذ کرے، انسان کو عزت و تکریم دے اور اسے جمہوری نظام کی گمراہیوں اور جاہلیت سے نکال کر اسلام کی وسعتوں اور اس کے پائیدار و سیدھے احکامات کی طرف لے جائے: ﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيماً فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا

السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ "اور یہ کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے، پس اسی کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے جدا کر دیں گے، اللہ نے تمہیں اسی کا تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ"(۔سورۃ الانعام: آیت 153)

جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو صحابہ کرام نے اپنے مسائل حل کرنے اور اپنے نظام زندگی کی تشکیل کے لیے غیر ملکی ریاستوں کی طرف رجوع نہیں کیا، اور نہ ہی وہ ایرانیوں یا رومیوں کے مرہونِ منت ہوئے کہ ان کے ایجنٹ بن کر ان کی پالیسیوں پر عمل درآمد کریں، جیسا کہ آج کے مسلمان حکمرانوں کا حال ہے۔ بلکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی پاسداری کرتے ہوئے ایک ایسے خلیفہ کی بیعت کی جو منصبِ حکم میں آپ ﷺ کا جانشین ہو تاکہ وہ دین کو قائم کرے اور اسلام کے ذریعے دنیا کے معاملات چلائے۔ وہ اکٹھے ہوئے اور اس شخص کا انتخاب کیا جو اللہ کی شریعت کی حفاظت کرے اور اسلام کے مطابق ان کی سیاست کرے۔ چنانچہ انہوں نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی جنہوں نے ایک انتہائی کٹھن وقت میں اقتدار سنبھالا جب امت ایک حقیقی آزمائش میں تھی۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے دین کو قائم کیا، شریعت کو نافذ کیا اور ایک مومن کی عزت اور اللہ عزوجل پر توکل کے ساتھ اسلام کا جھنڈا بلند کیا، اور اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حکم پر ذرہ برابر سمجھوتہ نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے فرمایا: "کیا میرے جیتے جی دین میں کمی کی جائے گی؟ اللہ کی قسم! اگر وہ مجھے اونٹ باندھنے والی ایک رسی دینے سے بھی انکار کریں گے جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے، تو میں اس پر بھی ان سے قتال کروں گا"۔

امتِ مسلمہ پر یہی شرعی فریضہ ہے۔ یعنی ریاست کا قیام، بلکل ویسے ہی جیسے رسول اللہ ﷺ نے ریاست قائم فرمائی تھی، جو اسلام کو نافذ کرے، مسلمانوں کو متحد کرے، اقتدار مجرم غاصبوں سے چھین لے، مظلوموں کی مدد کرے، اور جہاد کے ذریعے حملہ آوروں کا خاتمہ کرے، اور اللہ رب العالمین کی شریعت کے کسی بھی حکم پر کوئی سمجھوتہ نہ کرے۔

نبوت کے نقشِ قدم پر قائم خلافتِ راشدہ کی ریاست ہی وہ واحد راستہ اور بنیاد سے علاج کرنے والا حل ہے جو اس دنیا کا رخ بدل دے گی جو آج ظلم، فساد، بے امنی اور تباہی کے بوجھ تلے سسک رہی ہے۔ یہ ریاست اللہ تعالیٰ کے اذن سے استعماری کافروں کے اثر و رسوخ اور تسلط اور ان کے گرے ہوئے نااہل ایجنٹوں کا خاتمہ کر دے گی۔

مغرب کے زوال کی شرائط مکمل ہو چکی ہیں

کینیڈا کے وزیر اعظم مارک کارنی نے کہا ہے کہ عالمی نظام اب ختم ہو چکا ہے اور یہ دوبارہ کبھی لوٹ کر نہیں آئے گا، لہٰذا درمیانی قوت رکھنے والی ریاستوں کو اس کا شکار بننے سے بچنا چاہیے۔ کارنی نے ڈیووس کی معاشی کانفرنس کے دوران یہ بیان دیا کہ "جب قوانین آپ کا تحفظ کرنا چھوڑ دیں، تو پھر آپ کو اپنی حفاظت خود کرنی چاہیے" (بحوالہ اسکائی نیوز عربیہ)۔

الرایہ: ان کے اپنے قلعوں کے مرکز سے آنے والا یہ اعتراف دراصل اس نظام کی موت کا نوشتہ دیوار ہے جس کی بنیاد قوموں کا خون چوسنے پر رکھی گئی تھی۔ یہ اس بات کا اعتراف ہے کہ ان کے بنائے ہوئے قوانین کا یہ جنگل اب ان کے ظلم اور ناکامی کے عیوب کو چھپانے کے لیے کافی نہیں رہا۔

یقیناً زوال کی تمام شرائط مکمل ہو چکی ہیں۔ کیونکہ ان کی اشرافیہ اپنی شیطانی خواہشات کی تسکین کے لیے انسانی وقار کو سلب کرنے کی دلدل میں جا گری ہے۔ ان کے اپنے لوگوں، ان کے پیروکاروں اور ان اشرافیہ کے نشانے پر موجود طبقوں کا یہ یقین اب مکمل طور پر ختم ہو چکا ہے کہ مغربی نظریاتی نظام کسی بھی صورت میں انسانیت کی قیادت کرنے اور ان کے معاملاتِ زندگی کی دیکھ بھال اور تنظیم کے لیے موزوں ہے، کیونکہ اس نظام کی قواعد وضوابط کی بنیاد ہی لوگوں کو کچلنے اور انہیں بدحال کرنے پر رکھی گئی ہے۔

دوسری جانب، (اسلامی) نشاۃِ ثانیہ کی تمام شرائط بھی پوری ہو چکی ہیں۔ کیونکہ ایک ایسی آئیڈیالوگی (مبدأ) موجود ہے جس کی فکر بالکل خالص ہے، اور اسلامی زندگی کے دوبارہ آغاز کے لیے اس کا طریقہ کار مکمل طور پر واضح ہے، اور اس نظریے کے حاملین وہ مخلص لوگ ہیں جنہوں نے اپنی خواہشات کو اپنے عقیدے کے تابع کر دیا ہے۔

یہودی وجود نے مغربی کنارے کے لوگوں کو بے گھر کرنے کے فیصلوں کی منظوری دے دی!

یہودی وجود کی مختصر وزارتی کونسل (کابینہ) نے ایسے فیصلوں کی منظوری دی ہے جن کا مقصد مغربی کنارے میں بستیوں کی تعمیر کے عمل کو تیز کرنا ہے۔ ان فیصلوں کے تحت فلسطینی املاک کی یہودیوں کو فروخت پر عائد پابندیوں کو ختم کر دیا گیا ہے، فلسطینیوں کے زیرِ کنٹرول علاقوں میں گھروں کو مسمار کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ شہر خلیل، حرمِ ابراہیمی کے گردونواح اور بیت لحم میں منصوبہ بندی و نقشہ سازی کے اختیارات بھی یہودی وجود کو منتقل کر دیے گئے ہیں۔

مبارک سرزمین فلسطین میں حزب التحریر کے میڈیا آفس کے مطابق، یہ فیصلے انتہائی خطرناک نوعیت کے ہیں، کیونکہ ان کے نتیجے میں آبادکاروں کا وجود صرف فلسطینی آبادیوں کے اطراف میں نہیں بلکہ ان کے عین قلب میں قائم ہو جائے گا۔ ان فیصلوں پر عمل درآمد کی صورت میں لازمی طور پر خونی تصادم ہوں گے، اور یہ آبادکاروں کی جانب سے موجودہ

حملوں کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ وحشیانہ جارحیت کا راستہ کھول دیں گے۔ اس سب کا مقصد مغربی کنارے کے لوگوں کی زندگی کو ایک ایسی ناقابلِ برداشت جہنم میں بدل دینا ہے کہ کوئی بھی شخص اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جان کے بارے میں مطمئن نہ رہے، اور یوں انہیں زبردستی ہجرت اور کوچ کرنے پر مجبور کیا جا سکے۔

اہلِ فلسطین کو آج جس تنگی اور اپنی سرزمین سے جڑ سے اکھاڑے جانے کی صورتحال کا سامنا ہے، اور غاصب وجود جس طرح ان کے سانسوں، گھروں اور زمینوں پر اپنا جابرانہ تسلط جما رہا ہے، اس میں اسے اس فلسطینی اتھارٹی کا تعاون حاصل ہے جو پہلے دن سے اس کی گود میں جا بیٹھی ہے، اور اسے وہ حکمران ٹولے تحفظ فراہم کر رہے ہیں جنہوں نے اپنے وجود کو اس (یہودی وجود) کے وجود کے ساتھ مشروط کر رکھا ہے۔ یہ تمام تر صورتحال امت کے سامنے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں چھوڑتی کہ وہ حرکت میں آئے، کیونکہ صرف اہل فلسطین کی ثابت قدمی پر تکیہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی ذبح ہونے والے سے یہ امید لگانا کہ وہ قصاب کے سامنے ڈٹا رہے۔

بلکہ القوی اور العزیز اللہ سے ہماری دعا یہ ہے کہ وہ امت کے اہل قوت و منعت (فوجی طاقت رکھنے والوں) کے سینے کھول دے تاکہ وہ امت کے عوام کے دباؤ پر اس منظر نامے کو بدل ڈالیں، اور وہ بساط الٹ کر یہودی وجود کو تحفظ دینے والوں کو خود اس یہودی وجود سے پہلے گرا دیں۔ اگر وہ اللہ کے ساتھ اپنے معاملے میں سچے ہو جائیں تو وہ نہ صرف فلسطین بلکہ پوری دنیا کا نقشہ بدلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ وہ امت جو صحرا کی گہرائیوں سے نکلی تھی، جس نے فارس و روم کو فتح کیا اور پھر پوری دنیا اس کے زیرِ نگیں آ گئی، وہ فلسطین کو آزاد کرانے اور تاریخ کے صفحات کو نئے سرے سے لکھنے سے قطعاً عاجز نہیں ہے، یہاں تک کہ پوری زمین اللہ کے دین کی تابع ہو جائے۔ اور یوں رسول اللہ ﷺ کی یہ بشارت پوری ہو جائے:

«إِنَّ اللهَ زَوَى لِي الْأَرْضَ، فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا، وَإِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا» "بے شک اللہ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا، پس میں نے اس کے مشرقوں اور اس کے مغربوں کو دیکھا، اور یقیناً میری امت کی بادشاہت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک زمین میرے لیے سمیٹی گئی" (رواہ مسلم)۔

ایپسٹین آئی لینڈ (جزیرہ) محض ایک عارضی اسکینڈل نہیں ہے، بلکہ یہ ایک نظریاتی حقیقت ہے

تحریر: استاد احمد زکریا الضلع

(ترجمہ)

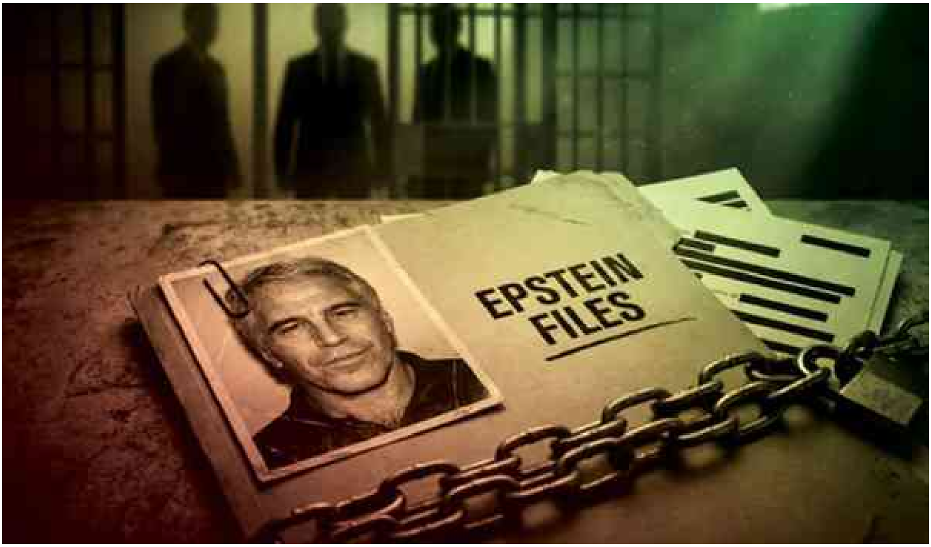

یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ مغرب جرائم کا ارتکاب کرتا ہے، بلکہ حیرت تو اس بات پر ہے کہ لوگ یوں حیران ہوتے ہیں جیسے مغرب کبھی مجرم رہا ہی نہ ہو، اور جیسے اس کی تاریخ قتل و غارت، لوٹ مار، قبضے اور سیاسی و انسانی استحصال کا ایک مسلسل سلسلہ نہ رہی ہو۔ عراق سے افغانستان تک اور شام سے غزہ تک، لاکھوں لوگ قتل ہوئے، بے گھر ہوئے اور ذہنی و جسمانی طور پر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئے، مگر اس "آزاد" دنیا کے احساسات کو ٹھیس تک نہ پہنچی۔ لیکن جب ایک چھوٹے سے جزیرے کا بھانڈا پھوٹتا ہے جہاں بااثر لوگ چھپ کر اپنے جرائم کا ارتکاب کرتے تھے، تو میڈیا میں ایک

طوفان کھڑا ہو جاتا ہے، حالانکہ یہ جرم اس سرمایہ دارانہ نظام کے لیے کوئی نئی بات نہیں بلکہ اس کی جڑوں میں پیوست ہے۔ ایپسٹین آئی لینڈ کوئی استثنیٰ نہیں بلکہ اس دنیا کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہے جس پر وحشی مغرب کی حکمرانی ہے۔

اصل غلطی نہ تو اس جگہ میں ہے، نہ اکیلے ایپسٹین کی ذات میں اور نہ ہی خود اس جرم میں۔ اصل غلطی اور خرابی اس نظریے اور اس بین الاقوامی نظام میں ہے جو انسان کو محض استحصال کی ایک جنس سمجھتا ہے۔ اس نظام میں بچے کو لذت کے لیے، عورت کو اشتہار کے لیے، قوموں کو لوٹ مار کے لیے اور ریاستوں کو قبضے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، اور جب زندگی اس ذہنیت کے ساتھ چلائی جائے تو ایپسٹین آئی لینڈ کا وجود ایک فطری بلکہ ناگزیر امر بن جاتا ہے۔ مسئلہ صرف ایپسٹین کا نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کا ہے جو اس کے پیچھے کھڑے ہیں۔ صرف ایپسٹین پر توجہ مرکوز کرنا ایک سوچی سمجھی دھوکہ دہی ہے، کیونکہ وہ محض ایک ظاہری چہرہ، ایک دلال یا اثر و رسوخ کے ایک طویل سلسلے کی ایک کڑی کے سوا کچھ نہ تھا۔

جو لوگ اس کے ساتھ تھے وہ سیاسی اشرافیہ، کاروباری شخصیات، میڈیا کے لوگ، بااثر افراد، حفاظتی نیٹ ورکس، سپاہی، گارڈز اور لاجسٹکس فراہم کرنے والے تھے۔ یہ لوگ اس گندے نظام سے باہر نہیں ہیں، بلکہ وہ خود یہ نظام ہیں۔ اور یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے جنگوں کی قیادت کی، بمباری کا جواز پیش کیا، قبضے کی راہ ہموار کی اور جمہوریت کے نام پر قتل و غارت کو قانونی شکل دی۔ یہ وہی لوگ ہیں جو ایک طرف انسانی حقوق کی باتیں کرتے تھے اور دوسری طرف مشرق وسطیٰ کے بچوں کو ملبے کے نیچے دفن کر رہے تھے۔ اب کون سا عقل مند انسان یہ تصور کر سکتا ہے کہ جس نے اجتماعی قتل عام کی قیادت کی ہو، وہ کسی تنہا جزیرے پر کسی بچے کی پامالی اور زیادتی سے باز رہے گا؟!

مغرب بچوں کے حقوق، خواتین کے حقوق، میڈیا کی اخلاقیات اور انسانی آزادی کی باتیں تو کرتا ہے، لیکن حقیقت یہ بتاتی ہے کہ یہ اقدار نہیں بلکہ سیاسی اوزار ہیں۔ یہ میڈیا کا محض ایک شور و غوغا ہے اور ایسے نعرے ہیں جن پر شہد کی تہہ چڑھی ہوئی ہے لیکن ان کے اندر قاتل زہر بھرا ہوا ہے۔ یہ اقدار عوام کو دھوکہ دینے کے لیے پیش کی جاتی ہیں، اور جب یہ ان کے مفادات کے تابع ہوں تو انہیں استعمال کیا جاتا ہے لیکن جب ان کے منصوبوں کی راہ میں رکاوٹ بنیں تو انہیں پاؤں تلے روند دیا جاتا ہے۔ اگر بچوں کے حقوق ان کے نزدیک ایک حقیقی قدر ہوتے تو غزہ کے اسکولوں کو یوں آگ نہ لگائی جاتی، اور اگر خواتین کے حقوق ایک اخلاقی اصول ہوتے تو عراق کی جیلوں میں عورتوں کی آبروریزی نہ کی جاتی، اور اگر انسانی وقار ان کے نزدیک مقدس ہوتا تو گوانتاناموا اور ابو غریب جیسے قید خانے قائم نہ کیے جاتے۔ لیکن آج

کی واضح حقیقت یہ ہے کہ جب دولت، سیاست، میڈیا اور اثر و رسوخ ایک جگہ جمع ہو جائیں تو اس کا نتیجہ ایسی "استثنائی قوت" کی صورت میں نکلتا ہے جو قانون سے بھی بالاتر ہوتی ہے۔ جب یہ تمام عناصر مل جاتے ہیں تو خاموشی خرید لی جاتی ہے، الزامات کا رخ (اپنے مخالفین کی طرف) موڑ دیا جاتا ہے، مجرم کا داغ دھو کر اسے صاف ستھرا کر دیا جاتا ہے اور بے گناہ کو شیطان بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اور اس طرح قانون اور اخلاقیات کی حدود کو پار کرنا نہ صرف ممکن بلکہ نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ اس معاملے کے وقت کے بارے میں مختلف نظریات اور ان انکشافات کو بین الاقوامی یا علاقائی واقعات سے جوڑنا، یہ سب ثانوی تفصیلات ہیں۔ اصل اور اہم ترین بات یہ ہے کہ خود مغربی عوام کے سامنے، دین کو زندگی سے الگ کرنے (سیکولرزم) کے نظریے پر یقین رکھنے والوں کے سامنے، اور مغربی تہذیب کی چکاچوند سے دھوکہ کھائے ہوئے ہمارے اپنے لوگوں کے سامنے سے بھی وہ آخری پردہ گر چکا ہے جو اس کی حقیقت چھپائے ہوئے تھا۔

اب ایک ایسے نظام کی حقیقت بے نقاب ہو گئی ہے جسے اقدار نہیں بلکہ مفادات چلاتے ہیں، جسے اخلاقیات نہیں بلکہ طاقت قابو میں رکھتی ہے، اور جو انسان کی حفاظت نہیں کرتا بلکہ اسے محض ایک سرمائے کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ یہ جرائم کسی انفرادی کجی یا انحراف کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ اس نظریے کا نتیجہ ہیں جو دین کو زندگی سے جدا کرتا ہے، وحی کو سیاست سے الگ کرتا ہے، خالق کی شریعت کو حکمرانی سے بے دخل کرتا ہے اور انسان کو خود اپنے لیے قانون ساز بنا دیتا ہے۔ اور انسان جب خود اپنے لیے قانون بناتا ہے تو وہ اپنی خواہشات کے پیمانے پر قانون سازی کرتا ہے۔ وہ اس چیز کو حلال قرار دیتا ہے جو اسے فائدہ پہنچائے اور اسے حرام کر دیتا ہے جو اس کے مفادات کو نقصان پہنچائے۔ تو پھر ہم ایسے نظام سے انسان کی حفاظت کی توقع کیسے رکھ سکتے ہیں؟

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایپسٹین آئی لینڈ محض ایک اسکینڈل نہیں بلکہ اس بات کا کھلا اعتراف ہے کہ یہ نظام اخلاقی طور پر ناکام، انسانیت کے درجے سے گرا ہوا، اقدار کے لحاظ سے دیوالیہ، تاریخی طور پر مجرم اور انسانیت کی بقا کے لیے خطرناک ہے۔ جو شخص آج بھی یہ حقیقت نہیں دیکھ پا رہا، وہ یا تو پروپیگنڈے کی تیز آواز سے اندھا ہو چکا ہے، یا اس جرم سے فائدہ اٹھانے والوں میں شامل ہے، یا پھر وہ سچائی کا سامنا کرنے سے ڈرتا ہے۔ اسی لیے یہ نظام، یہ فاسد حکمران ڈھانچہ اور فطری طور پر منحرف یہ تہذیب، اپنے اندر سے ٹھیک نہیں کی جا سکتی، بلکہ اسے اس کی جڑوں سے بدلنا ہوگا۔ یہ ایک ایسی بنیادی اور ہمہ گیر تبدیلی ہونی چاہیے جو فساد کی اصل جڑ کو کاٹ دے، انحراف کی بنیاد کو اکھاڑ پھینکے اور اس کے باقی رہنے یا اس کی مرمت کی کوئی گنجائش نہ چھوڑے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باطل کی اصلاح باطل سے نہیں ہو سکتی اور نہ ہی فساد کا

علاج فساد کے اوزاروں سے کیا جا سکتا ہے، بلکہ اس کا علاج حق کے ذریعے ہو گا اور ظلم کا خاتمہ عدل سے کیا جائے گا تاکہ جاہلیت کو دور کیا جا سکے اور اسلام کی حکمرانی قائم ہو۔

اور یہاں امتِ مسلمہ اپنے اس حقیقی اور تاریخی کردار کی طرف متوجہ ہوتی ہے جس سے وہ ایک طویل عرصے سے پیچھے ہٹی ہوئی تھی، اور وہ کردار پوری دنیا تک تبدیلی کا پیغام پہنچانا ہے۔ اسے محض چند اخلاقی نعروں کے طور پر نہیں بلکہ زندگی، سیاست، معیشت، معاشرت اور بین الاقوامی تعلقات کے ایک مکمل نظام کے طور پر پیش کرنا ہے۔ کیونکہ مسلمان محض ایک الگ تھلگ مذہبی گروہ نہیں ہیں، بلکہ وہ اس عالمگیر پیغام کے علمبردار ہیں جسے لے کر سید البشر محمد ﷺ تشریف لائے تاکہ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں، بندوں کی بندگی سے نکال کر رب العباد کی بندگی کی طرف لے جائیں، مذاہب کے جور و ستم سے نکال کر اسلام کے عدل کی طرف اور دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا و آخرت کی وسعت کی طرف لے جائیں۔

اور یہ تبدیلی کسی جزوی اصلاح، سیاسی پیوند کاری یا فاسد نظاموں کے ساتھ سمجھوتوں کے ذریعے نہیں آئے گی، بلکہ یہ ایک ایسے منظم، فکری، سیاسی اور اصولی کام کے ذریعے ممکن ہے جو اسلام کو زندگی کے واحد مرجع (حوالے) کے طور پر اس کا مقام واپس دلائے، امت کو دنیا میں اس کا قائدانہ کردار لوٹائے اور مادہ پرستی، ہوس اور اثر و رسوخ پر مبنی اس تہذیب کے سائے میں چھینی گئی انسانی عظمت و وقار کو دوبارہ بحال کرے۔ اور یہی شعور کی جنگ، تقدیر کی جنگ اور اس فاسد عالمی نظام کے خلاف امت کی جنگ ہے جو نہ تو اب اصلاح کے قابل ہے اور نہ ہی باقی رہنے کا حق رکھتا ہے۔

آج کی دنیا کا مسئلہ کیا ہے؟

تحریر: استاد محمد عبد الملک—ولایہ یمن

(ترجمہ)

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامِ قیامت تک ان کے رزق اور خوراک کا ذمہ خود لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿**قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَندَاداً ذَلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ * وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاء لِّلسَّائِلِينَ**﴾ "آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم اس (اللہ) کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں پیدا کیا اور تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو؟ وہی تمام جہانوں کا رب ہے۔ اور اس نے زمین میں اس کے اوپر سے پہاڑ گاڑ دیے اور اس میں برکت رکھی اور اس میں (رہنے والوں کی) خوراک کا اندازہ چار دنوں میں مقرر کر دیا، جو کہ ہر سوال کرنے والے

کے لیے برابر ہے" (سورۃ فُصِّلَت: آیات 9-10) چنانچہ اللہ نے ان کے لیے زمین کی تہوں میں، اس کی سطح پر، اور سمندروں و دریاؤں میں خیرات اور خزانے ودیعت کر دیے اور انہیں انسانوں کے لیے مسخر کر دیا۔ باری تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً﴾ "کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ نے اسے تمہارے تابع کر دیا ہے اور اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر مکمل کر دی ہیں" (سورۃ لقمان: آیت 20)۔ اللہ ہی نے انسان کو ان وسائل تک پہنچنے اور زمین کے سینے سے انہیں نکالنے کے ایسے طریقوں اور اسالیب کی طرف رہنمائی کی جن کا اسے الہام کیا اور اسے توفیق بخشی۔ اور اگر اللہ کی مدد اور توفیق نہ ہوتی تو انسان کبھی ایسا نہ کر پاتا۔

اللہ کے عدل، اس کی رحمت اور اپنے بندوں کی نگہبانی کا کمال یہ ہے کہ اس نے ان کی طرف ایک ایسی کتاب نازل فرمائی جسے وہ رسول (ﷺ) لے کر آئے جن کا انتخاب اللہ نے انہی میں سے کیا تاکہ وہ ان پر حجت ہوں، اور اپنے رب کی کتاب کو ان کے سامنے واضح کریں اور اس کی تشریح فرمائیں۔ یہ کتاب اپنے دامن میں ایک ایسا منفرد اسلامی معاشی نظام سموئے ہوئے ہے جو ان خزانوں اور نعمتوں کی ایسی تقسیم کا ضامن ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کو عطا کی ہیں۔ اس نظام کے ذریعے یہ دولت مشرق و مغرب میں بسنے والے ہر فرد تک پہنچتی ہے، یہاں تک کہ کوئی بھوکا نہیں رہتا مگر یہ کہ اس تک خیر پہنچ جائے، نہ کوئی فقیر رہتا ہے مگر یہ کہ وہ اس نعمت کو محسوس کرے، اور نہ ہی کوئی مسکین باقی رہتا ہے مگر یہ کہ اسے اس کا حصہ مل جائے۔ وہ پاک ذات جس نے مخلوق کو پیدا کیا اور ان کی خوراک کا انتظام کیا، وہی ہے جس نے ان کے درمیان تقسیم کا نظام بھی نازل فرمایا، جیسا کہ اس نے اپنی محکم کتاب میں فرمایا:﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ "بھلا وہ نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا؟ اور وہ بڑا باریک بین اور باخبر ہے" (۔سورۃ الملک: آیت 14)

آج انسانیت یا دنیا کا اصل مسئلہ وسائل کی کمی نہیں ہے، کیونکہ وہ کثرت سے موجود ہیں۔ بلکہ اصل مسئلہ ان لوگوں میں ہے جنہوں نے اللہ کے اس منہج اور نظام سے انحراف کیا جو رسول ﷺ لائے تھے، اور علم کے بغیر اپنی خواہشات کی پیروی کی۔ چنانچہ وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا جب انہوں نے ایک ایسا انسان ساختہ نظام وضع کیا جو ان کی ان ناقص عقلوں کی ایجاد ہے جو وحی کے نور سے دور ہو کر خواہشات کے پیچھے چل پڑیں اور جبلتوں کے تابع ہو گئیں۔ چنانچہ یہ نوزائیدہ سرمایہ دارانہ (Capitalist) نظام، جس نے دین کو زندگی سے الگ کر دیا، زمین پر ہر برائی کا

سرچشمہ بن گیا۔ پوری دنیا اس کے افکار کی آگ میں جھلس رہی ہے، بلکہ اس کے بگاڑ اور فساد سے جانور اور پرندے تک متاثر ہوئے ہیں۔ اس نظام نے لوگوں کو بدترین عذاب میں مبتلا کر دیا ہے، خاص طور پر مسلمانوں کو، جنہوں نے اپنی عزت کا اصل ذریعہ اس وقت کھو دیا جب عثمانی خلافت کا خاتمہ ہوا جو ان کی ڈھال تھی اور انہیں متحد رکھتی تھی۔ مسلمانوں نے قدم بہ قدم اور بالشت بھر بالشت یہودیوں اور عیسائیوں کی پیروی کی اور اس خیر کے بدلے جو ان کے پاس تھی، ایک ادنیٰ چیز کو اپنا لیا۔ انہوں نے اللہ کی شریعت اور اسلام کے نظام کے بدلے ایک جمہوری سرمایہ دارانہ نظام کو اختیار کر لیا جس کے سائے میں غربت، بھوک، ظلم، ہجرت، بدعنوانی، خانہ جنگی اور استعمار پھیل گیا۔ اس نظام نے کھیتوں اور نسلوں کو تباہ کر دیا، بلکہ یہ نظام بدبختی، کسمپرسی، جنگوں، تباہی اور بربادی کا سبب بنا، بالخصوص مسلم ممالک میں۔ اس کے کئی اسباب ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

1- ڈالر، جو دوسری جنگ عظیم کے بعد "بریٹن ووڈز" معاہدے کی پیداوار ہے۔ اس معاہدے کے ذریعے امریکہ دنیا پر اپنی مالیاتی اور معاشی بالادستی کی بنیادیں رکھنے میں کامیاب رہا، جہاں اس نے ڈالر کو ایک 'ہارڈ کرنسی' کے طور پر پیش کیا جسے ابتدا میں سونے کے ساتھ منسلک کیا گیا تھا (سونے کا ایک اونس 35 ڈالر کے برابر طے پایا تھا)۔ پھر دیگر تمام کرنسیوں کو ڈالر کے ساتھ جوڑ دیا گیا، جس کی وجہ سے دنیا بھر کے ممالک 1971ء تک اپنے بینکوں میں ڈالر کو زرِ مبادلہ کے ذخائر کے طور پر رکھنے پر مجبور ہوئے۔ اسی سال نکسن نے منظرِ عام پر آکر ڈالر کا سونے سے تعلق ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ یہ دنیا کے ساتھ کیا گیا سب سے بڑا دھوکہ تھا جسے پوری دنیا کو نگلنا پڑا، اور اس وقت سے لے کر آج تک امریکہ ڈالر کے محض ایک کاغذ کے ٹکڑے کے ذریعے پوری دنیا کو لوٹ رہا ہے اور لوگوں کی تجوریوں اور جیبوں سے مسلسل ان کا مال نکال رہا ہے۔

2- عالمی مالیاتی ادارے، جن میں سرِفہرست بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) اور ورلڈ بینک ہیں، جنہوں نے پوری دنیا اور بالخصوص مسلم ممالک کی معیشت کو سودی قرضوں کے ذریعے بڑی طاقتوں کی معیشت سے منتھی کر دیا ہے۔ یہ قرضے ملکوں کو قرضوں کے ایسے بھنور میں ڈبو دیتے ہیں کہ وہ اپنے دشمنوں کے ہاتھوں میں ایک آسان شکار بن جاتے ہیں۔ پھر ان قرضوں کے بدلے ایسی شرائط تھوپ دی جاتی ہیں جن کے ذریعے قرض لینے والے ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی جاتی ہے اور ان کے رگ و ریشے سے واقفیت حاصل کر لی جاتی ہے۔ یہ ادارے "معاشی اصلاحات" کے بہانے ان ممالک پر ایسے مالیاتی اقدامات مسلط کرتے ہیں جو درحقیقت معیشت کو تباہ کرنے اور ملک کو برباد کرنے کے اوزار ہوتے ہیں، جن میں کرنسی کی قدر میں کمی (ڈی ویلیویشن)، ٹیکسوں میں اضافہ، آزادانہ تجارت، اور

بنیادی ضرورت کی اشیاء وخدمات پر دی جانے والی رعایت (سبسڈی) کا خاتمہ شامل ہے۔ ان اقدامات کا نتیجہ بڑی طاقتوں کی مکمل غلامی، ملک میں معاشی جمود، مقامی کرنسی کی قدر میں گراوٹ، انسانی حالات کی ابتری، اور غربت و مہنگائی میں اضافے کی صورت میں نکلتا ہے، جس سے عوام کی تکالیف بڑھ جاتی ہیں اور ریاست صرف ٹیکس وصول کرنے والی مشین بن کررہ جاتی ہے جبکہ عوامی دیکھ بھال اور فلاح کا عنصر ختم ہو جاتا ہے۔

3- عوامی ملکیت (ملکیتِ عامہ) کا خاتمہ اور ملکیت کو صرف انفرادی اور ریاستی ملکیت تک محدود کر دینا۔ اور ساتھ ہی سرمایہ دارانہ نظریہ تملک (مالک بننے) کی ایسی بے لگام آزادی دیتا ہے جس کی وجہ سے بڑے سرمایہ دار عوامی وسائل اور مشترکہ املاک پر قابض ہو جاتے ہیں، جس سے امیر طبقے کی دولت میں مزید اضافہ ہوتا ہے اور مال چند ہاتھوں میں سمٹ جاتا ہے، جبکہ باقی عوام مزید غربت کی دلدل میں دھنس جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ، عوامی املاک ہی وہ اصل جڑ ہیں جس کے لیے استعماری طاقتوں کے درمیان ایک جنونی رسہ کشی جاری ہے، جو بالخصوص مسلم ممالک کے وسائل لوٹنے کے درپے ہیں اور اس کے لیے "معاشی شراکت داری" یا "معاشی تعاون" جیسے مختلف نام استعمال کرتے ہیں۔ جہاں تک عوام کا تعلق ہے، تو وہ بے بس ولاچار رہ جاتے ہیں اور انہیں صرف اتنا ہی مل پاتا ہے جتنا وہ اپنے ہاتھوں کی مشقت اور ماتھے کے پسینے سے کما پاتے ہیں۔

یہ ہے سرمایہ داری کا وہ دلدل جس کے بوجھ تلے یہ دنیا اور خاص طور پر مسلم ممالک سسک رہے ہیں، اور جس کے سائے میں زندگی آگ کا ایک ٹکڑا بن کر رہ گئی ہے۔

لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے جی توڑ کوشش کریں اور اس کی جگہ اسلام کا وہ نظام نافذ کریں جو تمام جہانوں کے لیے رحمت بن کر آیا ہے۔ یہی وہ نظام ہے جو تمام معاشی مسائل کو حل کرتا ہے اور ہر مشکل کا خاتمہ کرتا ہے۔ یہ نظام شرعی احکامات کے ذریعے دولت کو اس طرح تقسیم کرتا ہے کہ اس کے فوائد ہر فرد تک پہنچیں، اور یہ دولت کو مٹھی بھر لوگوں کے قبضے میں جانے سے روکتا ہے جو انسانی تقدیروں سے کھیلتے ہیں۔ یہ نظام عوامی ملکیت کو اس کے صحیح مقام پر بحال کرتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«النَّاسُ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ: الْمَاءِ وَالْكَلَأِ وَالنَّارِ»** "تمام انسان تین چیزوں میں شریک ہیں: پانی، چراہ گاہ اور آگ (توانائی)"۔ چنانچہ ریاست ان وسائل کی نگرانی کرتی ہے تاکہ تمام لوگ فراہم کردہ خدمات کے ذریعے ان کی خیر وبرکت کو محسوس کر سکیں، اور ریاست ان وسائل کی طرف بڑھنے والے ہر ظالم ہاتھ کو روکنے کا کام کرتی ہے۔

اسی طرح سود (ربا) کے بارے میں اسلام کا موقف بالکل واضح ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿**وَأَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا**﴾ "اور اللہ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام قرار دیا" (سورۃ البقرۃ: آیت 275) اسلام نے سود کو قطعی طور پر حرام قرار دے کر اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے، لہٰذا ان بین الاقوامی اداروں کے ساتھ لین دین کرنا حرام ہے جو اس برائی کے سب سے بڑے ذمہ دار ہیں اور اسے دنیا کے کونے کونے میں پھیلا رہے ہیں۔

جہاں تک اسلامی مالیاتی نظام کا تعلق ہے، تو وہ ڈالر سے مکمل طور پر جدا ہے اور اس کی بنیاد سونے اور چاندی پر ہے، جس سے قیمتوں میں استحکام رہتا ہے اور لوگوں کی دولت محفوظ رہتی ہے۔

اسلام کی خیر و برکت، عدل اور لوگوں پر اس کی رحمت کا بہترین ثبوت وہ حالات ہیں جن میں امتِ مسلمہ خلافت کے سائے میں رہتی تھی۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے دور میں ریاست کا خزانہ مال سے بھر گیا تھا اور مسلم ممالک میں خوشحالی عام ہو گئی تھی۔ خلافت کے اعلان کرنے والے پکارتے تھے کہ جس پر قرض ہو یا جو شادی کرنا چاہتا ہو وہ مسلمانوں کے بیت المال سے رجوع کرے، یہاں تک کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر غلہ بکھیرا جاتا تھا تاکہ یہ نہ کہا جائے کہ مسلمانوں کے ملک میں کوئی پرندہ بھوکا رہا، حالانکہ اس وقت ان کے وسائل آج کے خزانوں کے دسویں حصے کے برابر بھی نہ تھے۔

پس آج کی دنیا کا مسئلہ وسائل کی کمی نہیں ہے بلکہ اس صحیح نظام سے دوری ہے جو ان وسائل کی منصفانہ تقسیم کو منظم کرتا ہے۔ اسلام کے احکامات وہ کٹھ پتلی حکومتیں کبھی نافذ نہیں کریں گی جنہوں نے اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اہل ایمان کے ساتھ خیانت کی ہے۔ بلکہ ان کا نفاذ صرف وہ دوسری خلافتِ راشدہ ہی کرے گی جس کے قیام کے لیے حزب التحریر دن رات کوشاں ہے۔ تو آج کے وہ انصار کہاں ہیں جو اس کے قیام کے لیے مدد کریں تاکہ وہ دنیا اور آخرت کی بھلائی حاصل کر سکیں؟

جمہوریت کے بت خود اپنے بنانے والوں کے ہاتھوں پاش پاش ہو گئے

اے مسلمان افواج! مغربی بیانیہ دم توڑ چکا ہے، اور جمہوریت و بین الاقوامی قانون کے بت خود ان کے خالقوں کے ہاتھوں ٹوٹ چکے ہیں۔ انہوں نے اعتراف کر لیا ہے کہ یہ محض ایک افسانہ ہے، اور یہ مان لیا ہے کہ یہ استعماریت کا ایک ہتھیار ہے۔ پھر کیوں ہمارے حکمران اب بھی ان کی کانفرنسوں کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہیں؟ اور کیوں ہمارے علماء ان کی عدالتوں سے انصاف مانگتے ہیں؟ ہم اس نظام پر کیوں بھروسہ کریں جو ہمیں مٹانے کے لیے ہی بنایا گیا ہے؟ آخر تم کب تک خود کو دھوکا دیتے رہو گے؟ مغرب اس وقت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے اور اس کا کیمپ تقسیم ہو چکا ہے، جس سے اس فکر کی کمزوری عیاں ہو گئی ہے جس کی بنیاد حق کے بجائے صرف مفاد پر ہے۔

اور اس کا متبادل اس مردہ نظام کی مرمت کرنا نہیں ہے، اور نہ ہی ان کی جوئے کی میز پر کسی بہتر نشست کی تلاش کرنا ہے، بلکہ اس کا متبادل وہ نظام ہے جو طاقتور اور کمزور یا امیر اور غریب میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ متبادل تو خالقِ کائنات کا نظام ہے، یعنی نبوت کے نقشِ قدم پر قائم خلافت۔ ایک ایسا نظام جس میں شریعت کو محض ایک مفید کہانی کے طور پر نہیں بلکہ تمام انسانوں کے لیے ایک ربانی وحی کے طور پر نافذ کیا جاتا ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ مغرب کے وہم و گمان اور اس کے بوسیدہ قوانین کو مسترد کر دیا جائے۔ حق کا سورج طلوع ہونے کو ہے اور ان کے باطل نظام کا زوال یقینی ہے، کیونکہ باطل کو مٹنا ہی ہوتا ہے: ﴿**وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقاً**﴾ "اور فرما دیجئے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل مٹنے ہی والا ہے" (۔ سورہ الاسراء: آیت 81)

اے مسلمان افواج! اپنی گردنوں سے ان غدار حکمرانوں کی زنجیریں اتار پھینکو جو اس ظالمانہ نظام کی پہرے داری کر رہے ہیں۔ تمہاری امت خلافت کے قیام کے لیے تمہاری نصرۃ (عسکری مدد) کا انتظار کر رہی ہے، تاکہ دنیا وہ نظام دیکھے جو حقیقی بنیادوں پر قائم ہے، وہ نظام جو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق حکمرانی کرتا ہے۔ اب اوہام کا وقت ختم ہو چکا ہے، اور مغرب کے بیانیے کے چہرے سے نقاب اتر چکا ہے، لہٰذا حزب التحریر کی پکار پر لبیک کہو، وہ ہراول دستہ جو امت کے احیاء اور ظلم کے ڈھانچوں کو ڈھانے کی دعوت لے کر اٹھا ہے۔

مغربی کنارے پر یہودیوں کا اپنی گرفت مضبوط کرنا جبری بے دخلی کی ایک منظم پالیسی ہے

تحریر: استاد عبداللہ النبالی

(ترجمہ)

اب مغربی کنارے کی زمینوں کی پامالی چھپ کر نہیں ہوتی، بلکہ اب یہ سب دنیا کی آنکھوں کے سامنے سرِ عام لوٹا جا رہا ہے، اور اس پر اس امت کی گہری اور مجرمانہ خاموشی ہے جسے لوگوں پر گواہ ہونا تھا، نہ کہ اپنے ہی ذبح ہونے پر خاموش تماشائی۔

آج یہودی وجود مغربی کنارے کے باسیوں پر گھیرا مزید تنگ کر رہا ہے۔ ان کے گھر مسمار کیے جا رہے ہیں، ان کی زمینیں چھینی جا رہی ہیں، ان کی شناخت مٹائی جا رہی ہے اور ان کے شہروں اور دیہاتوں کا محاصرہ کیا جا رہا ہے تاکہ ان کا دم گھٹ جائے۔

یہ منظر کوئی حیران کن یا اچانک پیش آنے والا واقعہ نہیں ہے، بلکہ یہ اہل فلسطین کو ان کی سرزمین سے اکھاڑ پھینکنے، اس جگہ کی روح سلب کرنے اور تاریخ کو ملبے کے ڈھیر میں بدلنے کے ایک طویل سلسلے کی ایک نئی کڑی ہے۔

اسی لیے آج یہودی وجود جو کچھ کر رہی ہے وہ محض کوئی وقتی سکیورٹی کارروائی نہیں ہے، بلکہ یہ مغربی کنارے کے لوگوں کو بے دخل کرنے کے منصوبے کے ایک باقاعدہ (قانونی اور انتظامی) مرحلے میں منتقلی ہے۔

یہودی وجود کی مختصر وزارتی کونسل (کابینہ) کی جانب سے ان فیصلوں کی منظوری، جن میں مغربی کنارے میں بستیوں کی تعمیر میں تیزی لانا، فلسطینی جائیدادوں کی یہودیوں کو فروخت پر عائد پابندیاں ختم کرنا، فلسطینی اتھارٹی کے زیرِ کنٹرول علاقوں کے اندر بھی گھروں کو گرانے کی اجازت دینا، اور الخلیل، حرمِ ابراہیمی کے گرد و نواح اور بیت لحم میں تعمیر و ترقی اور منصوبہ بندی کے اختیارات یہودی وجود کو منتقل کرنا شامل ہے، اس کا عملی مطلب یہ ہے کہ نام نہاد خود مختاری کے

بچے کھچے نشانات کو بھی مٹا دیا جائے، اور فلسطینی اتھارٹی کو اقتدارِ اعلیٰ سے محروم محض ایک انتظامی ڈھال بنا دیا جائے تا کہ ایک نیا آبادیاتی نقشہ مسلط کرنے کی راہ ہموار ہو سکے۔

یہ فیصلے صرف زمین کو نشانہ نہیں بناتے، بلکہ اس زمین کے مالک کو بھی نشانہ بناتے ہیں تا کہ اس کے لیے حالات اتنے تنگ کر دیے جائیں کہ وہ خود دھیرے دھیرے ہجرت کرنے پر مجبور ہو جائے۔ کیونکہ جب اس کا گھر مسمار کر دیا جاتا ہے، زمین ضبط کر لی جاتی ہے، تعمیر و ترقی کے راستے مسدود کر دیے جاتے ہیں اور پھر اس کا معاشی محاصرہ کر لیا جاتا ہے، تو وہاں رہنا اس کے لیے زندگی کا ایک بہت بڑا بوجھ بن جاتا ہے۔ یہاں ہجرت یا بے دخلی کی صورت براہِ راست نکال باہر کرنے کے بجائے "بتدریج دم گھونٹنے" کی پالیسی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

الخلیل میں، جہاں مسجدِ ابراہیمی واقع ہے، یہودی وجود تعمیر و ترقی اور نئی بستیوں کے ذریعے اپنا کنٹرول مضبوط کر رہا ہے، اور یہ کوئی محض انتظامی کارروائی نہیں ہے، بلکہ یہ ایک حاکمانہ قدم ہے جو اس جگہ پر قبضے اور اس سے جڑی جدوجہد کی اصل روح کو نشانہ بناتا ہے۔

بیت لحم کا حال یہ ہے کہ اسے بستیوں اور ناکوں کے ذریعے محاصرے میں لے لیا گیا ہے، اور اسے اس کے اصل جغرافیائی اور سماجی ماحول سے کاٹنے کی پالیسی مکمل کی جا رہی ہے تا کہ وہ ایک ایسا کٹا ہوا علاقہ بن جائے جہاں زندگی کی فطری رمق باقی نہ رہے۔

اور مغربی کنارے کی ڈھلوانوں پر واقع دیہاتوں میں یہودی وجود راستے بند کر رہی ہے اور لوگوں کے دلوں پر پہرے بٹھا رہی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ یہاں کے لوگ ظلم و جبر کے اتنے ہی عادی ہو جائیں جتنا وہ سانس لینے کے عادی ہیں۔

یہودی وجود جو کچھ کر رہا ہے وہ محض انتظامی فیصلے یا سکیورٹی انتظامات نہیں ہیں، بلکہ یہ ہر چیز کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا ایک جامع منصوبہ ہے: زمین کو چھیننا، یادداشتوں کو مٹانا، حق کو غصب کرنا اور امیدوں کا خاتمہ کرنا ہے۔ یہ ایک ایسا منصوبہ ہے جو اہلِ فلسطین سے یہ کہنا چاہتا ہے کہ: یا تو تم یہاں سے چلے جاؤ، یا پھر اپنی ہی زمین پر اجنبی بن کر زندگی گزارو، جہاں نہ تمہارا کوئی سایہ ہو، نہ چھت اور نہ ہی کوئی روشن مستقبل۔

اس خطرناک منصوبے کے مقابلے میں، اہلِ فلسطین کو صرف غاصبانہ قبضے کا ہی سامنا نہیں ہے، بلکہ اندرونی طور پر ان پر ایک ایسی اتھارٹی کے ذریعے بھی عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا ہے جو مسئلہ فلسطین کو محض ایک تجارتی منصوبہ سمجھتی ہے تا کہ اپنے کارندوں کے بینک اکاؤنٹس بھر سکے۔ گزشتہ دو برسوں میں غزہ کی پٹی پر مسلط جنگ اور مغربی کنارے پر بڑھتی

ہوئی سختیوں کے باوجود، یہ اتھارٹی حقیقی خود مختاری یا تحفظ فراہم کرنے کی صلاحیت سے محرومی کے عالم میں لوگوں سے مال بٹورنے اور ٹیکس وصول کرنے میں لگی ہوئی ہے، اور بستیوں کی تعمیر کے اسرائیلی منصوبے کا مقابلہ کرنے کا سوچے بغیر فلسطینیوں کی زندگیوں کو مزید اجیرن بنا رہی ہے۔

اس لحاظ سے، اہلِ فلسطین پر دباؤ دوہرا ہو چکا ہے۔ ایک طرف غاصب قبضہ ہے جو ان کی زمین اور مقدسات کو لوٹ رہا ہے، اور دوسری طرف وہ اتھارٹی ہے جو کسٹم، ٹیکسوں، رشوتوں اور بھتہ خوری کے ذریعے ان کے مال لوٹ رہی ہے۔ اس طرح اب پوری صورتحال واضح ہو جاتی ہے کہ ہم آبادی کو منظم طریقے سے نکال باہر کرنے کی ایک ایسی پالیسی کے سامنے کھڑے ہیں جو صرف ٹینکوں کے زور پر نہیں بلکہ منصوبہ بندی اور معیشت کے ذریعے چلائی جا رہی ہے۔ اس کا مقصد مغربی کنارے کا انتظام چلانا نہیں بلکہ اس کی انسانی شناخت کو بدلنا اور اسے اس کے اصل باشندوں سے خالی کرانا ہے، تاکہ انہیں ہجرت پر مجبور کیا جائے یا وہ بغیر کسی مستقبل کے گھٹن زدہ چھوٹی چھوٹی بستیوں (کینٹنز) میں سمٹ کر رہ جائیں۔

آخر میں، یہودی وجود مغربی کنارے میں جو کچھ کر رہا ہے وہ کوئی مقامی یا الگ تھلگ واقعہ نہیں ہے، بلکہ یہ مسلمانوں کی زمینوں، اور بالخصوص اس مبارک سرزمین پر قبضے اور توسیع پسندی کے ایک طویل منصوبے کی کڑی ہے جو مسلمانوں کا قبلۂ اول اور ان کے نبی ﷺ کی جائے معراج ہے۔ اس منصوبے کا مقابلہ محض جذباتی تقریروں سے نہیں ہو سکتا، بلکہ اس کے لیے اس منصوبے کی حقیقت کا گہرا فہم اور امت کے شعور کی ایسی از سرِ نو تعمیر ضروری ہے کہ وہ یہ جان لے کہ یہ معرکہ یہاں وہاں کے کسی ایک گھر یا سڑک کا نہیں ہے، بلکہ یہ اس زمین کا معرکہ ہے جس کی مٹی صحابہ کرامؓ کے خون سے سیراب ہوئی اور جو قرآن کریم میں اللہ کی ایک آیت کے طور پر درج ہے۔ چنانچہ جب امت اس حقیقت کو پا لے گی تو نہ کوئی قبضہ باقی رہے گا اور نہ کوئی غاصب بستی، اور تب یہ زمین آزاد ہو گی اور دارالاسلام کا مرکز و مقام بنے گی۔

طرابلس الشام میں دوسری عمارت کا گرنا محض ایک افسوسناک واقعہ نہیں بلکہ ایک کھلا جرم ہے!

ولایہ لبنان میں حزب التحریر کے میڈیا آفس سے جاری کردہ ایک پریس ریلیز میں کہا گیا ہے کہ: طرابلس میں دوسری عمارت کا گرنا، جبکہ اس سے چند ہی روز قبل "قبہ" کے مقام پر بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا، محض ایک "افسوسناک حادثہ" قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ یہ مجرمانہ غفلت کا ایک کھلا ثبوت ہے!

بیان میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اس کی ذمہ داری اقتدار کے تمام ستونوں اور خود شہر کے ان سرمایہ داروں پر عائد ہوتی ہے جیسے میقاتی، صفدی، کرامی، کبارہ اور دیگر، جنہوں نے دولت کے انبار تو لگا لیے لیکن طرابلس کے لوگوں کو "موت کی چھتوں" کے نیچے رہنے کے لیے چھوڑ دیا جو کسی بھی لمحے ان کے سروں پر گر سکتی ہیں۔ ان لوگوں نے عوام کی زندگی اور وقار کے بجائے صرف اپنے ذاتی، سیاسی اور انتخابی مفادات کو اہمیت دی ہے۔

بیان میں مزید کہا گیا کہ طرابلس کوئی ایسا شہر نہیں جو بھیک مانگے یا دوسروں کے رحم و کرم پر جیے۔ طرابلس اپنی صلاحیتوں اور اپنے لوگوں کے لحاظ سے ایک امیر شہر ہے، لیکن اسے جان بوجھ کر لوٹا گیا اور نظر انداز کیا گیا ہے۔ "قبہ" کے علاقے میں پہلی عمارت کے گرنے اور کئی لوگوں کی ہلاکت کے بعد بہت سے وعدے کیے گئے اور میٹنگز ہوئیں، لیکن ثابت ہوا کہ وہ صرف وقت گزاری کے لیے جھوٹے وعدے اور لوگوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے محض میڈیا کی حد تک گمراہ کن ملاقاتیں تھیں۔ وہ جلد ہی طرابلس والوں کو بھول گئے، اور اب جب "تبانہ" کے علاقے میں عمارت گری ہے تو پھر سے وہی بیانات، وعدے اور میٹنگز شروع ہو گئی ہیں! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: **«لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ»** "مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا"، تو ہم اس اقتدار اور ان سیاستدانوں کے ہاتھوں کتنی بار ڈسے جائیں گے؟

بیان کے آخر میں کہا گیا کہ اب شہر کے تمام مخلص لوگوں پر واجب ہے کہ وہ ان حکمرانوں کے خلاف عملی اقدامات کریں اور اقتدار کے ان ایوانوں اور ان کے نمائندوں میں سے ہر اس شخص کی برطرفی اور سخت احتساب کا مطالبہ کریں جس کی غفلت یا حل تلاش کرنے میں ٹال مٹول ثابت ہو جائے۔

آج کا دن دنیا کے سامنے سڑے ہوئے سرمایہ دارانہ نظام کے متبادل کے طور پر اسلام کو پیش کرنے کے لیے سب سے موزوں ہے

آج افراطِ زر (مہنگائی) جو کرنسی کو چاٹ رہی ہے، وہ حقیقت میں اعتماد اور جواز کو اس کی جڑوں سے ختم کر رہی ہے۔ جب نظام ٹوٹے ہوئے 'سماجی معاہدے' کی مرمت کرنے سے عاجز آ جاتے ہیں، تو وہ فطری طور پر ایسے متبادل تلاش کرتے ہیں جو قلیل مدت میں کم خرچ ہوں لیکن طویل مدت میں زیادہ تباہ کن ہوں۔ جنگ کوئی عقلی انتخاب نہیں ہے، لیکن اکثر یہ اندرونی ٹوٹ پھوٹ کے براہِ راست مقابلے سے بچنے کے لیے آخری پناہ گاہ ثابت ہوئی ہے۔ یہ کوئی اچانک ہونے والا واقعہ نہیں ہے، بلکہ ایک سست رفتار راستہ ہے جب مسائل کو حل کرنے کے بجائے صرف ٹالا جاتا ہے، اور جب انسانی زندگی اور استحکام کے مقابلے میں مفادات اور سرمائے کو ترجیح دی جاتی ہے۔

اسی لیے، آج کا دن دنیا کے سامنے اس سڑے ہوئے سرمایہ دارانہ نظام کے متبادل کے طور پر ایک اسلامی منصوبہ پیش کرنے کے لیے موزوں ترین ہے، کیونکہ دنیا کو ایک ایسے ربانی منہج کی ضرورت ہے جس میں معیشت اقدار کے تابع ہو، مال ایک امانت ہو، اور انسان ایک آلہ نہیں بلکہ خود ایک مقصد ہو۔ ایک ایسا منہج جو سود، دھوکا دہی (غرر)، خیالی سٹہ بازی اور اجارہ داری کو حرام قرار دے، اور کرنسی کو مستحکم بنائے، زکوٰۃ کو محض خیرات نہیں بلکہ ایک ریاستی رکن بنائے، اور دولت کی گردش کو برقرار رکھنے کے لیے مال جمع کرنے کو حرام قرار دے تاکہ مال صرف امیروں کے درمیان ہی گردش نہ کرتا رہے۔ یہ کوئی جادوئی حل نہیں ہے، بلکہ ایک مکمل اصولی ڈھانچہ ہے، جس کی عملی شکل نبوت کے نقشِ قدم پر قائم دوسری خلافتِ راشدہ ہے، جس کا وعدہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کی زبان سے ہم سے کیا ہے، بشرطیکہ ہم تبدیلی لائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿**إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ**﴾ "بیشک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے آپ کو نہ بدل ڈالیں"۔ (سورہ الرعد: آیت 11)

آج دنیا جو دیکھ رہی ہے وہ محض افراد کی رسوائیاں نہیں بلکہ پورے نظام کا بے نقاب ہونا ہے

گزرے ہوئے کسی بھی وقت سے زیادہ، آج دنیا ایک ایسی تہذیب کی شدت کے ساتھ ضرورت مند ہے جو انسان کو اس کی قدر و قیمت واپس دلائے اور انسانی وجود کی حرمت کو بحال کرے۔ ایک ایسی تہذیب جو انسان کو محض پیداواری مشین، کھپت کا ذریعہ (صارف) یا منڈی کا ایک عدد نہ سمجھے، بلکہ اسے ایک ایسی معزز مخلوق مانے جس کا ایک مقصد اور پیغام ہے۔ ایسی تہذیب جو محض وعظ و نصیحت یا تاریخی یادداشت کی صورت میں نہ ہو، بلکہ ایک مکمل تہذیبی منصوبہ ہو جو روح اور مادے کو یکجا کرے، آزادی اور ذمہ داری کے درمیان توازن پیدا کرے اور اعلیٰ اقدار کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ کے بجائے اس کی بنیادی شرط بنائے۔ ایک ایسی تہذیب جس میں انسان محض ایک "ترقی یافتہ جانور" نہ ہو بلکہ ایک معزز مخلوق ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ** "اور بیشک ہم نے

اولادِ آدم کو عزت دی"(۔ سورہ الاسراء: آیت 70)۔ ایک ایسی تہذیب جہاں انسان بے مقصد بھٹکنے والا وجود یا اپنی خواہشات کا غلام نہ ہو، بلکہ صاحبِ ارادہ ہو جیسا کہ اللہ نے اسے دیکھنا چاہا ہے: یعنی زمین پر اللہ کا خلیفہ، جو امانت دار ہو نہ کہ جابر و مسلط۔

وہ دنیا جو دوہرے معیاروں سے تھک چکی ہے، جسے اس کے لیڈروں کے تضادات نے رسوا کر دیا ہے اور جو ایک بے روح صارفانہ تہذیب کے بوجھ تلے گھٹ کر رہ گئی ہے، اسے ایک ایسے نمونے کی ضرورت ہے جو توازن بحال کرے۔ ایسا نمونہ جو بے راہ روی کے جواز کے لیے آزادی کا نعرہ بلند نہ کرے اور نہ ہی ظلم و استبداد کو برقرار رکھنے کے لیے اقدار کا نام استعمال کرے۔ پس اسلامی تہذیب کوئی بالا دستی قائم کرنے کا منصوبہ نہیں ہے، بلکہ یہ انسان اور معاشرے کو بکھراؤ اور تباہی سے، اور سیاست کو اخلاق سے علیحدگی سے بچانے کا ایک منصوبہ ہے۔ جب انسان کی عزت محفوظ ہو گی، خواہشات کو اقدار کے ذریعے قابو میں رکھا جائے گا اور اقتدار کو امانت سے جوڑا جائے گا، تبھی ہم کسی حقیقی تہذیب کی بات کر سکتے ہیں۔

روس طویل جنگ کے بعد: ایک نڈھال ریاست یا پہلے سے زیادہ خطرناک؟

تحریر: استاد نبیل عبد الکریم

(ترجمہ)

روس اور یوکرائن کی جنگ نے بین الاقوامی تعلقات میں ایک بنیادی سوال کو دوبارہ جنم دیا ہے کہ کیا ایک طویل فوجی مقابلے کے بعد روس ایک ایسی نڈھال ریاست بن چکا ہے جس کی صلاحیتیں ختم ہو گئی ہیں، یا وہ عالمی نظام کی پابندیوں کو توڑنے کے بعد اب پہلے سے بھی زیادہ خطرناک ہو گیا ہے؟

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ روس اس جنگ سے بھاری نقصانات کے بوجھ تلے دب کر نکل رہا ہے اور وہ ایک ایسی ساختی تھکن کا شکار ہے جو بین الاقوامی سطح پر اس کے اثر ورسوخ کو محدود کر دیتی ہے۔ اس کے برعکس، دوسرے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس جنگ نے روس کو ایک ایسی قوت کے طور پر دوبارہ ڈھالا ہے جو پہلے سے زیادہ مضبوط اور خطرناک ہے، جو عالمی نظام کے اصولوں کی کم پابند ہے، اور مہم جوئی و حالات کو بگاڑنے کے لیے زیادہ تیار ہے۔ اس بحث کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ روسی طاقت کے ذرائع میں آنے والی گہری تبدیلیوں کا جائزہ لیا جائے اور بین الاقوامی کشمکش کے ترازو میں اس کے نقصانات اور فوائد کا موازنہ کیا جائے۔

پہلا: روس نے آج تک کیا کھویا؟

فوجی اِستحصال: بھاری جانی اور مالی نقصانات، روایتی فوجی ذخائر کا بڑے پیمانے پر استعمال، اور ان دفاعی صنعتوں پر بڑھتا ہوا انحصار جو سخت معاشی پابندیوں کے دباؤ میں کام کر رہی ہیں۔

عمومی معاشی دباؤ: یہ ان بے مثال پابندیوں کا نتیجہ ہے جنہوں نے بینکنگ سسٹم اور توانائی کے شعبے کو نشانہ بنایا، جس کی وجہ سے بڑی مغربی سرمایہ کاری باہر نکل گئی اور طویل مدتی ترقی کی صلاحیت کمزور پڑ گئی۔

سیاسی ساکھ میں نسبتی کمی: یہ مشرقی یورپ میں اس کے اثر ورسوخ کے سکڑنے، نیٹو(NATO) کے پھیلاؤ، اور یورپ کے ساتھ اس کے تعلقات کے سیاسی کشش اور "نرم طاقت"(soft power) سے نکل کر تقریباً مکمل طور پر "سخت طاقت"(hard power) پر منحصر ہو جانے کا نتیجہ ہے۔

دوسرا: ان سب کے باوجود روس مہم جوئی کے لیے زیادہ تیار کیوں نظر آتا ہے؟

اِستحصال اور تھکن کے باوجود، روس کے پاس ایسے عوامل موجود ہیں جو اسے خطرہ مول لینے کے لیے ایک تیار کھلاڑی بناتے ہیں، اور اس کی کئی وجوہات ہیں:

اخلاقی اور قانونی پابندیوں سے آزادی: روس اب لبرل نظام کی کم پرواہ کرتا ہے اور بین الاقوامی احتساب کے منطق کو کم مانتا ہے، جیسا کہ شام اور یوکرائنی علاقوں میں اس کی کارروائیوں سے ظاہر ہوا۔ اس چیز نے اسے اپنی فوجی طاقت بڑھانے اور سائبر جنگ کو تیز کرنے کی ترغیب دی ہے۔

طویل جنگی تجربے کا حصول: اس جنگ نے روس کے فوجی نظریے کی تشکیلِ نو میں مدد دی ہے، اور اسے وہ میدانی تجربہ فراہم کیا ہے جس کی بہت سی یورپی افواج میں کمی ہے۔

قیادت کی تلاش سے نظام کو نقصان پہنچانے کی طرف منتقلی: اب روس عالمی نظام کی قیادت کا خواہشمند نہیں رہا، بلکہ وہ اسے جڑ سے کمزور کرنے کے لیے کام کر رہا ہے۔ اس کی بنیاد یہ یقین ہے کہ موجودہ نظام اب غلبہ حاصل کرنے کی کم صلاحیت رکھتا ہے اور اسے آسانی سے الجھایا جا سکتا ہے، اور روس یک قطبی دنیا سے کثیر قطبی دنیا یا یہاں تک کہ افراتفری کی طرف منتقلی کے لیے خود کو ڈھالنے کے لیے تیار ہے۔

متبادل میدانوں میں پھیلاؤ: روس کا خطرہ یورپ کے ساتھ بالواسطہ کشیدگی بڑھانے اور افریقہ، مشرقِ وسطیٰ اور قطب شمالی جیسے متبادل میدانوں میں سرگرم ہونے کی اس کی صلاحیت میں نظر آتا ہے۔

تیسرا: روس، ایک زخمی مگر ضدی طاقت کے طور پر:

آج کا روس نہ تو ماضی کا قصہ بن چکا سوویت یونین ہے اور نہ ہی کوئی زمین بوس ہو چکی ریاست۔ یہ ایک زخمی لیکن ضدی قوت ہے۔ اس نے اپنی کنٹرول کرنے کی صلاحیت کا ایک حصہ کھو دیا ہے، لیکن اس نے خطرہ مول لینے کی زیادہ ہمت حاصل کر لی ہے۔ اور ایسی دنیا میں جو "منظم افراتفری" کی طرف بڑھ رہی ہے، شاید سب سے خطرناک طاقتیں وہ نہیں ہوتیں جو سب سے زیادہ مضبوط ہوں، بلکہ وہ ہوتی ہیں جن کے پاس کھونے کے لیے اب کچھ باقی نہ رہا ہو۔

اس لیے روس کو ایک ابھرتی ہوئی طاقت کے طور پر نہیں دیکھا جانا چاہیے، بلکہ ایک ایسی طاقت کے طور پر دیکھنا چاہیے جو اپنے زوال کو روکنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس کے پاس اسلحہ اور ڈیٹرنس (دشمن کو روکنے کی قوت) موجود ہے، اور وہ علاقائی اور بین الاقوامی سرپرستوں کی رضامندی سے اپنے کمزور اثر و رسوخ والے علاقوں کو وسعت دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ اگرچہ پابندیوں کی وجہ سے اسے معاشی اور تکنیکی کمزوری اور انسانی ترقی میں تنزلی کا سامنا ہے، لیکن روسی ذہنیت اب بھی خطرے کا ایک بڑا سبب ہے، خواہ اس کے افق محدود ہی کیوں نہ ہوں۔

آج کا روس ایک پریشان کن کھلاڑی اور محض ایک سٹریٹیجک شراکت دار ہے، کوئی سٹریٹیجک لیڈر نہیں۔ اس کی طاقت دوسروں کو مکمل فتح حاصل کرنے سے روکنے کی صلاحیت میں ہے، نہ کہ اپنی فتح مسلط کرنے میں، جبکہ اس کی کمزوری ایک ایسے عالمی منصوبے کی عدم موجودگی ہے جو ٹکراؤ کی منطق سے بالاتر ہو۔

چوتھا: کثیر قطبی دنیا میں روس کا مقام:

آنے والے بڑے بحرانوں کے بعد کی دنیا میں، روس شاید وہ طاقت نہ ہو جو مستقبل کی قیادت کرے، لیکن وہ بلاشبہ ان قوتوں میں سے ایک ہوگی جو کسی بھی آنے والے بین الاقوامی تصفیے میں اپنا حصہ ڈالے گی۔

اگر بین الاقوامی نظام یک قطبی سے کثیر قطبی، یا یہاں تک کہ ایک افراتفری کی شکل میں تبدیل ہوتا ہے، تو طاقت کے توازن پر مبنی کثیر قطبیت (نہ کہ کسی ایک مرکز کے غلبے پر) سوویت یونین کے خاتمے کے بعد سے روسی نقطہ نظر کے عین مطابق ہے۔

کثیر قطبی نظام مغرب کی روس کو تنہا کرنے یا اس پر دم گھونٹ دینے والی پابندیاں لگانے کی صلاحیت کو کم کر دے گا، اور ایٹمی ہتھیار بین الاقوامی مقام کو یقینی بنانے کے لیے ایک مرکزی آلے کے طور پر واپس آ جائیں گے۔ اسی طرح روس چین، ایران، بھارت اور افریقی ممالک کے ساتھ محض مفادات پر مبنی اتحادوں کے ذریعے کام کرنے میں مہارت رکھتا ہے۔ اور ایسے نظام میں، ان قوتوں کی ضرورت بڑھ جاتی ہے جو ثالثی کرنے یا کام روکنے (تعطیل) کی صلاحیت رکھتی ہوں، اور روس ان دونوں کاموں میں ماہر ہے۔

اس لیے ایک کثیر قطبی نظام میں، روس سب سے طاقتور قطب تو نہیں ہے، لیکن یہ ایک ایسا ضروری قطب ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی کامیابی بین الاقوامی نظام کی قیادت کرنے میں نہیں، بلکہ اپنے خلاف کسی دشمن اور مستحکم

نظام کو بننے سے روکنے میں، اور ایک ایسی دنیا میں مقام، اثر ورسوخ اور رکاوٹ ڈالنے کے لیے مقابلہ کرنے میں ہے جو نامکمل کثیر قطبی نظام یا منظم افراتفری کی طرف بڑھ رہی ہے۔

پانچواں: روسی فکر میں اسلامی ریاست کا خوف وخدشہ:

روس کا اصل خوف کسی روایتی فوجی طاقت سے نہیں ہے، بلکہ ایک ایسی اصولی اسلامی ریاست کے قیام کے امکان سے ہے جو سرحدوں سے بالاتر ہو۔ روس کے اندر 20 سے 25 ملین مسلمان آباد ہیں (چیچنیا، داغستان، انگوشتیا، تاتارستان وغیرہ میں)، اور ایسی ریاست کا قیام ان اسلامی تحریکوں کو ایک علامتی جواز فراہم کر سکتا ہے جو اس ابھرتی ہوئی سیاسی اکائی میں شامل ہونے کا مطالبہ کرتی ہیں۔

اسی طرح روس ایک ایسی ریاست کے پڑوس سے بھی ڈرتا ہے جو "قومی ریاست" (nation-state) کی ان سرحدوں کو تسلیم نہیں کرتی جیسا کہ وہ سمجھتا ہے، کیونکہ وہ اسے محض ایک نیا سیاسی وجود نہیں دیکھتا، بلکہ اسے جواز کا ایک متبادل ماڈل سمجھتا ہے جو اس کی قومی سرحدوں میں داخل ہونے اور اس کے کمزور اندرونی ماحول میں شناخت اور وفاداری کے سوالات کو دوبارہ زندہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اسی بنا پر، روس جدید قومی نظام سے باہر سے جواز حاصل کرنے والی ریاست کے قیام کا خطرہ مول لینے کے بجائے، ان آمرانہ نظاموں کی حمایت کرنے کو ترجیح دیتا ہے جنہیں قابو میں رکھا جا سکے۔ ماسکو کے خدشات اس بات سے اتنے نہیں ہیں کہ یہ ریاست باہر کیا کرے گی، بلکہ وہ اس کے قیام کے اندرونی اثرات سے زیادہ ڈرتا ہے۔

اس لیے اس کی اصل جنگ مذہب کے طور پر اسلام سے نہیں ہے، بلکہ ایک ایسے سیاسی نظام کی پیدائش کے امکان سے ہے جسے وہ اپنے قابو میں نہ رکھ سکے یا اسے کنٹرول نہ کر سکے۔ اور ایک ایسی دنیا میں جہاں سرحدیں مٹ رہی ہیں، یہ امکان روسی ذہن میں سب سے بڑا تزویراتی ڈراؤنا خواب بنا ہوا ہے۔

اور اسی تناظر میں روس کے مختلف علاقوں میں حزب التحریر کے نوجوانوں کے خلاف گرفتاریوں کی وسیع مہم کو سمجھا جا سکتا ہے، جس میں مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔ یہاں مقابلہ محض سیکیورٹی کا نہیں بلکہ نظریاتی ہے، جس کا ہدف ایک ایسی ریاست کا تصور ہے جو "امت" کا تصور رکھتی ہے، جو موجودہ سرحدوں یا بین الاقوامی قانون پر یقین نہیں رکھتی، اور اسلامی عظمت کو اسی طرح بحال کرنے کی کوشش کرتی ہے جیسا کہ وہ پہلے تھی، یا جیسا کہ ہمارے رسول کریم ﷺ نے اس کی بشارت دی تھی۔

ڈیموکریسی (جمہوریت): وہم اور حقیقت کے درمیان

تحریر: پروفیسر محمود اللیثی

(ترجمہ)

عالمی سیاسی بیانیے کے پُرجوش ماحول میں، جمہوریت کو انسانی عقل کے اس عروج کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جہاں وہ نظامِ حکومت کی ترتیب میں پہنچی ہے، اور اس کی تشہیر آزادی، انصاف اور انسانی حقوق کے واحد ضامن کے طور پر کی جاتی ہے۔ تاہم، سنجیدہ غور و فکر اور چھان بین یہ انکشاف کرتی ہے کہ یہ تصویر محض ایک اشتہاری غلاف ہے جو ایک بالکل مختلف حقیقت کو چھپائے ہوئے ہے: جمہوریت نہ تو کوئی نافذ شدہ حقیقت ہے اور نہ ہی ایسا نظام جسے تشہیر کے مطابق عملی جامہ پہنایا جاسکے، بلکہ یہ اپنے جوہر میں ایک متضاد تصور ہے، جس کا عملی حصول ناممکن ہے، اور یہ "عوام کی حکمرانی" کے نام پر لوگوں کو دھوکہ دینے پر مبنی ہے جبکہ حقیقت سرمائے اور قابض اشرافیہ کی حکمرانی کی گواہی دیتی ہے۔

جمہوریت کی حقیقت: ایک بے حقیقت تصور

جمہوریت کی عام تعریف یہ ہے کہ "عوام کی حکمرانی، عوام کے ذریعے اور عوام ہی کے لیے"۔ مگر یہ تعریف خود اپنے پہلے ہی عملی امتحان میں ڈھیر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ عوام مجموعی طور پر نہ تو حکومت کرتے ہیں، نہ قانون سازی کرتے ہیں اور نہ ہی ریاست کے معاملات چلاتے ہیں، بلکہ جو طبقہ حقیقت میں حکمرانی کرتا ہے وہ ایک مخصوص اشرافیہ ہے، جو اقتدار کو اپنے درمیان ایسے انتخابی میکانزم کے ذریعے گردش میں رکھتی ہے جو پہلے سے قوانین، مالیاتی فنڈنگ اور میڈیا کے اثرورسوخ کے ذریعے کنٹرول شدہ ہوتے ہیں۔ جہاں تک "عوامی مرضی" کی بات ہے، تو یہ محض ایک نعرہ ہے جسے ضرورت کے وقت پکارا جاتا ہے اور طاقتوروں کے مفادات سے ٹکرانے کی صورت میں اسے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

وہ پارلیمان، جن کے بارے میں یہ فرض کیا جاتا ہے کہ وہ عوام کی نمائندگی کرتی ہیں، حقیقت میں پریشر گروپس (مفاداتی گروہ)، کثیر القومی کمپنیوں اور مالیاتی اثرورسوخ کے مراکز سے کوئی حقیقی آزادی نہیں رکھتیں۔ اور جو قانون سازی اکثریت کے نام پر کی جاتی ہے، وہ اکثر ان کے براہ راست مفادات کے برعکس ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان ممالک میں حکمرانوں اور عوام کے درمیان خلیج بڑھتی جا رہی ہے جنہیں پرانی اور مستحکم جمہوریتیں کہا جاتا ہے۔

آزادی اور انصاف کے دعووں کا فریب

جمہوریت یہ دعویٰ کرتی ہے کہ وہ آزادیوں کی ضمانت دیتی ہے، لیکن حقیقت یہ دکھاتی ہے کہ یہ آزادیاں "انتخابی" ہیں، یعنی یہ اس وقت دی جاتی ہیں جب سرمایہ دار اشرافیہ کے مفادات کو کوئی آنچ نہ آئے، اور جیسے ہی ان مفادات کو خطرہ لاحق ہو، یہ آزادیاں سلب کر لی جاتی ہیں۔

رہی بات انصاف کی، تو اسے قانون کے سامنے محض ایک رسمی برابری تک محدود کر دیا گیا ہے، جبکہ طبقاتی فرق کو بغیر کسی روک ٹوک کے وحشیانہ حد تک بڑھنے کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے۔ جمہوریت نہ تو چند ہاتھوں میں دولت کے انبار لگنے کو روک سکی، نہ ہی کروڑوں لوگوں کو مفلسی کی دلدل سے نکال پائی، اور نہ ہی ان استعماری جنگوں کو روک سکی جو خود جمہوریت پھیلانے کے نام پر لڑی جاتی ہیں۔

اصولی طور پر جمہوریت کا ناممکن ہونا

جمہوریت کا حصول اس لیے ناممکن ہے کیونکہ یہ ایک ساختی تضاد پر کھڑی ہے: یہ دعویٰ تو کرتی ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ (حاکمیت) عوام کا حق ہے، لیکن ساتھ ہی ان عوام کو ایک ایسے دستور اور قوانین کے تابع کر دیتی ہے جو ان کی مرضی سے بالاتر ہوتے ہیں، اور ان کے انتخاب کو ایک ایسی حد میں مقید کر دیتی ہے جس سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہوتا۔ اسی

طرح، یہ فرض کرلیتی ہے کہ تمام لوگوں میں سیاسی شعور مساوی ہے، جبکہ حقیقت علم اور اثر و رسوخ میں بہت بڑے تفاوت کی گواہی دیتی ہے، جس کی بنا پر حتمی فیصلہ ان کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے جو دولت اور میڈیا کے مالک ہیں۔

مزید برآں، قانون سازی کا اختیار انسانوں کے ہاتھ میں دینا، خواہ وہ اکثریت ہو یا اقلیت، تبدیلیوں، عدم استحکام اور انتشار کا دروازہ کھول دیتا ہے؛ چنانچہ جو چیز کل تک حق تھی وہ آج جرم بن جاتی ہے، اور اس کے برعکس، یہ سب محض مفادات اور حالات کے تابع ہوتا ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جو اقدار کو اضافی (Relative) بنا دیتا ہے، جن کا نہ تو کوئی مستقل حوالہ ہوتا ہے اور نہ ہی انصاف کا کوئی مطلق معیار۔

مغرب خود اب متبادل کی تلاش میں ہے: جمہوریت پر تنقید اب محض مغرب کے دشمنوں تک محدود نہیں رہی، بلکہ یہ خود مغرب کے فکری مراکز (تھنک ٹینکس) کے اندرونی مباحثوں کا حصہ بن چکی ہے۔ ایسی تحریروں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے جو 'جمہوریت کے بحران'، 'مابعد جمہوریت' (post-democracy) اور اداروں پر اعتماد کے خاتمے کی بات کرتی ہیں۔ اس کے حل کے لیے ماہرین کی حکمرانی (حکمِ ماہرین)، ٹیکنوکریٹک ماڈلز، یا انتظامی معاملات میں بڑی کمپنیوں کے کردار کو بڑھانے جیسے جزوی متبادل پیش کیے جا رہے ہیں، اور یہ سب کچھ دراصل اس نظریے کی اصل ناکامی کا ایک بالواسطہ اعتراف ہے۔

مگر یہ متبادل مسئلے کی اصل بنیاد کا علاج نہیں کرتے، کیونکہ یہ اسی سرمایہ دارانہ فریم ورک کے قیدی ہیں، اور حاکمیت (اقتدارِ اعلیٰ) خالق کے بجائے دوسروں کے ہاتھ میں ہی رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کو چھوڑ کر انسان کو قانون ساز بناتے ہیں، جس کے نتیجے میں بحران محض ایک شکل سے دوسری شکل میں منتقل ہو جاتا ہے مگر اس کا کوئی جڑ سے خاتمہ نہیں ہوتا۔

سرمایہ داری کا حقیقی متبادل: اس کے برعکس، اسلام نظامِ حکومت کا ایک مکمل اور جامع ڈھانچہ پیش کرتا ہے جو ایک واضح اصول پر قائم ہے: 'حاکمیت شریعت کی اور اقتدار امت کا'۔ قانون سازی کا اختیار انسانوں کے پاس نہیں بلکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾ "حکم صرف اللہ ہی کا ہے" (سورۃ یوسف: آیت 40)۔ اس سے مرجع (مرکزی حوالے) کا مسئلہ قطعی طور پر حل ہو جاتا ہے اور اقدار و احکام کے ساتھ کھلواڑ کا ہر راستہ بند ہو جاتا ہے۔

رہی بات امت کی، تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس شخص کا انتخاب کرے جو اس شریعت کو نافذ کرے اور اس کے معاملات کی دیکھ بھال کرے، اور اگر وہ اس کی مخالفت کرے تو اس کا محاسبہ کرے اور اسے (عہدے سے) معزول کر

دے۔ یہ عمل عادلانہ احکام کے ایک مستقل ڈھانچے کے اندر حقیقی سیاسی شرکت کو یقینی بناتا ہے، جو محض دکھاوے کی نہیں ہوتی۔

ریاستِ خلافتِ راشدہ، ایک عملی نمونہ ہے نہ کہ محض خیالی: خلافت کوئی ناممکن تصور یا پہنچ سے دور کوئی خیالی خواب نہیں ہے، بلکہ یہ وہ نظامِ حکومت ہے جو تاریخ میں عملاً نافذ رہا اور جس کے عدل اور بہترین نگہبانی کی گواہی تاریخ نے خود دی ہے۔ اس نظام میں حکمران امت کا خادم اور اسلام کی تنفیذ میں اس کا نمائندہ ہوتا تھا، وہ قانون کے تابع ہوتا تھا اور بر سرِ عام اس کا محاسبہ کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے خطبے میں فرمایا تھا: (أطيعوني ما أطعتُ الله فيكم، فإن عصيتُه فلا طاعة لي عليكم) "جب تک میں اللہ کی اطاعت کروں، تم میری اطاعت کرنا، اور اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو تم پر میری کوئی اطاعت لازم نہیں"۔ اس نظام میں حقوق اس لیے محفوظ ہیں کیونکہ وہ ریاست کی طرف سے کوئی "عطیہ" یا "خیرات" نہیں بلکہ ایسے شرعی احکام ہیں جن کا نفاذ فرض ہے۔ یہاں انسان کی حفاظت اس لیے کی جاتی ہے کہ وہ ایک صاحبِ تکریم مخلوق ہے، باری تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ﴾ "اور یقیناً ہم نے اولادِ آدم کو عزت بخشی ہے" (سورۃ بنی اسرائیل: آیت 70)

دونوں متبادلوں کے درمیان بنیادی فرق: جمہوریت اور اسلام کے درمیان فرق صرف طریقہ کار کا نہیں بلکہ فلسفے اور بنیاد کا ہے۔ جمہوریت انسان کو قانون ساز بناتی ہے، جبکہ اسلام اسے اللہ کا بندہ اور زمین پر اس کا خلیفہ (نائب) بناتا ہے۔ جمہوریت حکومت کو بدلتے ہوئے مفادات سے جوڑتی ہے، جبکہ اسلام اسے اٹل اور دائمی حق کے ساتھ باندھتا ہے۔ جمہوریت اقتدار کے لیے دائمی کشمکش پیدا کرتی ہے، جبکہ اسلام اقتدار کو ایسے احکام اور ذمہ داریوں کے ذریعے منظم کرتا ہے جو آمریت اور لاقانونیت دونوں کا راستہ روکتی ہیں۔

صدیوں کے تجربے کے بعد جمہوریت نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ ایک ایسا وہم ہے جو کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا، اور ایک ایسا نعرہ ہے جو ظلم اور تضادات کی حقیقت کو چھپائے ہوئے ہے۔ خود مغرب اب اس کے بند گلی میں پھنس جانے کو محسوس کر رہا ہے، لیکن وہ اس بحران سے نکلنے میں ناکام ہے کیونکہ وہ خدائی رہنمائی (مرجعیتِ ربانی) کو قبول کرنے سے انکاری ہے۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، وہ کسی تجریدی نظریے کے طور پر نہیں بلکہ نظامِ حکومت کے ایک مکمل اور عملی ڈھانچے کے طور پر حقیقی متبادل پیش کرتا ہے، جو ہر زمانے اور ہر جگہ کے لیے موزوں ہے۔ اسلام کی طرف واپسی

میں ہی انسانیت کی اس بھٹکاو سے نجات ہے اور اسی عدل کا حصول ممکن ہے جس سے انسانوں کے بنائے ہوئے نظام قاصر رہے۔

اے امتِ مسلمہ! مشرق سے لے کر مغرب تک: اب وقت آگیا ہے کہ تم اس حقیقت کو جان لو کہ تم پر جو نظامِ ہائے حکومت مسلط کیے گئے ہیں وہ ان زنجیروں کے سوا کچھ نہیں جنہوں نے تمہاری توانائیوں کو جکڑ رکھا ہے، تمہاری وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور تمہاری دولت کو دشمنوں کے لیے تر نوالہ بنا دیا ہے۔ وہ جمہوریت جسے تمہارے سامنے نجات کے راستے کے طور پر پیش کیا گیا، وہ غلامی کو برقرار رکھنے اور تمہیں تمہارے اصل تہذیبی منصوبے سے دور کرنے کے ایک ہتھیار کے سوا کچھ نہ تھی۔ تمہارا اتحاد صرف ایک جھنڈے کے نیچے، تمہاری قیادت صرف ایک شریعت کے ذریعے، اور تمہاری وہ ریاست جو اقوامِ عالم میں تمہارا مقام بحال کرے گی، وہ صرف 'خلافتِ راشدہ علیٰ منہاج النبوۃ' ہی ہے؛ وہ خلافت جو جوڑتی ہے توڑتی نہیں، جو عدل کرتی ہے ظلم نہیں، اور جو قیادت کرتی ہے کسی کی محکوم نہیں ہوتی۔

اے کنانہ (مصر) کے سپاہیو! اے وہ جن کے ہاتھوں میں قوت اور طاقت ہے، اے وہ جو پوری تاریخ میں امت کی ڈھال اور اس کی تلوار رہے ہو، تمہاری ذمہ داری بہت بڑی اور تمہاری امانت بہت بھاری ہے۔ تم اسی امت کے قلب اور اس کی رگ و پے سے ہو، اور آج تم سے جو کام لیا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ تم ناکام نظاموں کی ڈھال بنو اور ان مفادات کے چوکیدار بنو جن کا نہ اسلام سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی مصر سے۔ تمہاری حقیقی نصرت کسی انسان کے بنائے ہوئے نظام یا دستور کی حفاظت میں نہیں، بلکہ اپنی امت کا ساتھ دینے میں ہے، تاکہ وہ اپنا اقتدار اور فیصلہ سازی کا حق واپس لے سکے اور اسلام کا وہ نظام قائم کر سکے جو ظلم کو مٹاتا ہے، ملکوں کو آزاد کراتا ہے اور امت کو حق پر اکٹھا کرتا ہے: ﴿**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اسْتَجِيبُواْ لِلّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُم لِمَا يُحْيِيكُمْ**﴾ "اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر لبیک کہو جب وہ تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے" (سورۃ الانفال: آیت 24)

ولایہ مصر میں حزب التحریر کے میڈیا آفس کے رکن

امریکہ کی لگام صرف ریاستِ خلافت ہی کس سکتی ہے

حزب التحریر ولایہ عراق کے میڈیا آفس نے ایک پریس ریلیز جاری کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ: عراقی انتخابات کے ڈرامے کو تین ماہ سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے، وہ انتخابات جس کے عراقی سیاستدانوں نے قصیدے پڑھے، جس کے لیے مکروہ فرقہ واریت کو ہوا دی اور جسے "انتخابی جشن" کا نام دیا، تو اس کا نتیجہ کیا نکلا؟

پہلا: حقیقت نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ جشن لوگوں کے ساتھ سب سے بڑا جھوٹ اور دھوکا تھا کہ یہ ان کی مرضی کی نمائندگی کرتا ہے۔ کیونکہ ہر خاص و عام یہ بات یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ یہ ووٹ خریدنے اور سادہ لوح لوگوں کے ساتھ کھلواڑ کا سب سے بڑا فاسد سودا تھا۔ حتیٰ کہ نتائج آنے کے بعد کچھ ووٹرز یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کے ووٹ ہوا میں اڑ گئے، جیسا کہ صوبہ نینویٰ کے کامیاب امیدوار نجم الجبوری کے ساتھ ہوا جنہوں نے تقریباً چالیس ہزار ووٹ حاصل کیے تھے، لیکن انتخابی جوڈیشل باڈی نے انہیں "بعث پارٹی کے خاتمے کے قانون" کی زد میں آنے کی وجہ سے نااہل قرار دینے کا حکم جاری کر دیا۔

دوسرا: انتخابات کے بعد بھی عہدوں اور نام نہاد "آئینی حقوق" کے لیے مختلف دھڑوں اور ایک ہی اتحاد کے اندر آپسی لڑائی، ٹکراؤ اور کھینچا تانی کا سلسلہ جاری ہے۔ سیاسی اختلافات اب ایک مستقل روش بن چکے ہیں، جس میں حساس معاملات کو انتظار اور سودے بازی کی منطق پر چلایا جا رہا ہے، اور ان حکمرانوں کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ انہوں نے لوگوں کو کس قدر کٹھن زندگی، بے مقصدیت اور ضائع ہونے کی دلدل میں دھکیل دیا ہے۔

تیسرا: ملک اب بھی امریکہ کے زیرِ تسلط ہے اور اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں ہوتا۔ یہ حقیقت نوری المالکی یا ایران نواز مسلح گروہوں سے وابستہ کسی بھی امیدوار کی نامزدگی پر امریکی دھمکیوں سے بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ یہ اس سیاسی ٹولے کے اس دعوے کے جھوٹ کو ثابت کرتا ہے کہ عراق ایک آزاد ملک یا خودمختار ریاست ہے۔

چوتھا: گزشتہ 23 برسوں کے دوران بار بار ہونے والے ان انتخابی تجربات اور اس کے نتیجے میں ملک کی تباہی، بربادی اور بدحالی کے بعد، جسے کرپشن نے اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے، یہ بات یقین کے ساتھ ثابت ہو چکی ہے کہ ہمارا مسئلہ ہر چار سال بعد اس کچرے کو دوبارہ گھمانا نہیں ہے۔ ہمارے مسائل کا حل صرف چہرے بدلنے میں نہیں ہے، بلکہ اس نظام کو جڑ سے اکھاڑنا ضروری ہے جو ان تمام مسائل کو جنم دیتا ہے اور اس تمام تر فساد کی پیداوار کا اصل ذمہ دار ہے۔

مقبوضہ کشمیر کے ساتھ حقیقی یکجہتی کیسے ہو؟

کشمیر کے مسلمانوں کے ساتھ حقیقی یکجہتی کا مطلب اسے آزاد کرانے کے لیے مسلمانوں کی افواج اور خاص طور پر پاکستان کی فوج کو متحرک کرنا ہے، نہ کہ وہ باتیں جو پاکستان کے حکمران ہر سال 'یومِ یکجہتی کشمیر' منانے کے لیے اپنے کھوکھلے بیانات کے ذریعے دہراتے ہیں۔ یہ حکمران اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل کی قراردادوں کا حوالہ دیتے ہیں اور عالمی نظام سے التجا کرتے ہیں کہ وہ مقبوضہ کشمیر میں بھارت کی بڑھتی ہوئی خلاف ورزیوں پر توجہ دے۔ ایک طرف وہ ٹرمپ کو خوش کرنے اور غزہ کے ساتھ غداری کرنے میں مصروف ہیں، جبکہ دوسری طرف بھارت مقبوضہ کشمیر پر اپنی گرفت مضبوط کر رہا ہے، پاکستان کا پانی روک رہا ہے، مسلمانوں کے درمیان فتنوں کی پشت پناہی کر رہا ہے، اور آزاد کشمیر پر حملہ کرنے اور اسے ضم کرنے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔

عاصم / شہباز حکومت نے بھارت سے کشمیر کو آزاد کرانے کا موقع اس وقت ضائع کر دیا، جب مئی 2025 کی چار روزہ جنگ کے دوران پاکستان کی بہادر افواج نے پاکستان پر ہونے والی بھارتی جارحیت کو کچل دیا تھا۔

اس لیے اہلِ پاکستان کو چاہیے کہ وہ اپنے ایجنٹ حکمرانوں کے بیانات اور ان کے حل کو مسترد کر دیں، اور پوری قوت سے یہ مطالبہ کریں کہ کشمیر کی آزادی کے لیے فوج کو محاذ پر بھیجا جائے، جو اس خطے میں ہندوؤں کی بالادستی کو کاری ضرب لگائے گا۔ اسی طرح تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ نبوت کے نقشِ قدم پر دوسری خلافتِ راشدہ کے قیام کے لیے تندہی سے کام کریں، جو پوری امتِ مسلمہ کو متحد کرے گی اور اس کے مقبوضہ علاقوں کے ایک ایک انچ کو آزاد کرائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ**﴾ "اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا"(۔سورہ محمد، آیت 7)